

شمس الاسلام

ماہنامہ

* بھیرہ (پاکستان) *

بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ

مطابق ماہ مئی ۱۹۵۸ء

مرتبہ سید سیاح الدین کاکخیل

تحت ادارہ

علامہ حسین { اسیر حزب الانصار بھیرہ }
مدیر مسؤول { مولانا الحاج افتخار احمد بکوی }
لین رولہ { سالانہ ہفتہ }
(پاکستان)

بیاد کار ز عیم ملت حقوت مولانا ظہوری احمد صاحب مگوی نور اللہ مرقدہ

زیر ہدایت مولانا افتخار احمد مگوی امیر حزب الانصار بھیرہ پنجاب

سالانہ چندہ

عوام سے

۳۱/- روپے

طلباء سے

۲۱/۸ روپے

سالانہ چندہ

معاونین سے

۵۱/- روپے

غیر ممالک سے

۴۱/- روپے

حزب الانصار بھیرہ

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

اغراض و مقاصد: اندرونی و بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام ۲۲ اصلاح رسوم و اتباع شریعت اسلامیہ و اشاعت علوم دینیہ طریق کار: ۱۰۰، جریڈ شمس الاسلام کا اجراء ۲۲ دارالعلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت سر انجام دے رہا ہے۔ ۳۰ مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے۔ ۴۰ عظیم الشان سالانہ کانفرنس۔

۵۰ امیر حزب الانصار کامبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ ۶۰ کتب خانہ ۷۰ جامع مسجد بھیرہ کی مرمت۔

جریدہ کے قواعد و ضوابط: ۱۔ جریدہ ہر ماہ انگریزی کی ۵ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ تک وصول ہو جانے چاہئیں۔ مدیر کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ۲۰ ارکان حزب الانصار کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ چندہ: کیفیت کم از کم چار آنے ماہوار یا تین روپیہ سالانہ ہے۔ ۳۰ عام سالانہ چندہ ۳۱/- معاونین سے ۵۱/- اور طلباء سے ۲۱/۸ روپیہ مقرر ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۴ روپے کے ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔ ۵۰ رسالہ باقاعدہ جانچ پڑتال کے بعد حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔ بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔ ۵۰ جو اپنی کارڈ یا ٹکٹ آنے چاہئیں۔ ۶۰ ہندوستان والے چندہ حاجی عبدالجید صاحبان کمیشن ایجنٹس ۷۰ نواب سجاد سٹریٹ، بمبئی دہندہ ہندوستان کو بذریعہ مینی آرڈر ارسال کریں۔

جلد خط و کتابت و ترسیل زبد بنام غلام حسین ایڈیٹر شمس الاسلام بھیرہ پنجاب، ہونی چاہئے۔

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذیلہ دی۔ پلی ارسال ہوگا۔

جس نے زائد ترراجات سے بچنے کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذیلہ مینی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو۔ تو اطلاع دیں۔ تھارڈ وی پی والیس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

سرخ نشان

(غلام حسین منیجر رسالہ)

ماہنامہ شمس الاسلام بمبئی

مقرباً: سید سیاح الدین کا کاجیل

جلد ۳۰	شوال المکرم ۱۳۷۷ھ مطابق مئی ۱۹۵۸ء	جلد ۵
--------	-----------------------------------	-------

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	۱۔ ایک خطرناک حالت کی طرف توجہ اور اصلاح کی ضرورت ۲۔ شیعہ ذاکرین کی زبان درازیاں ۳۔ عربی مدارس کی اہمیت اور ان کی تنظیم	ادارہ	۵
۲	اسلامی معاشرہ اور اسلامی قومیت کے عوامل	مولانا امین احسن صاحب اصلاحی	۱۱
۳	اسلام اور بہار قانونی نظام	عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ	۱۶
۴	تدوین حدیث	سید امین الحق صاحب فاضل دیوبند خطیب شیخ پورہ	۲۴
۵	تاریخائے عبرت	مولانا محمود احمد ظفر انگلش ماسٹر روپوچک ضلع میانلکھ	۲۸
۶	علم حدیث	مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی	۳۰

باتمام علم حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر شمس الدین برقی پریس مرگودا میں چھپکر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد حمیرہ وضع سرگودھا سے شائع ہوتا

بزم انصار و کوائف کارکردگی حزب الانصار بھیرہ!

حضرت محبوب ملت صاحبزادہ محمد محبوب الرسول صاحب
نقشبندی سجادہ نشین لدہ شریف ضلع جہلم
حضرت ابو النصر صاحبزادہ مولانا محمد طفیل صاحب قادری
سجادہ نشین کوٹ مومن۔

حضرت مولانا صاحبزادہ افتخار الحسن صاحب لائل پور
حضرت علامہ دوست محمد صاحب قریشی۔ حضرت مولانا محمد
صاحب نقشبندی لائل پور۔ مولانا محمد امین صاحب جھنگوی۔ مولانا
حسن المرتضیٰ صاحب قادری لاہور۔ مولانا محمد شجاع الدین صاحب
لاہور۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب شاہ پوری۔ مولانا سید عبدالرحمن شاہ
صاحب۔ مولانا نور محمد صاحب این آبادی۔ مولانا محمد امیر الدین صاحب
محمد بخش چشتی نعت خوان۔ صوفی احمد یار صاحب نعت خوان وغیرہ
مختلف اصناف تقریباً پنجاب کے اکثر اصناف سرگودھا۔ لائل پور
میانوالی۔ کیمپور گجرات۔ جہلم وغیرہ کے حضرات
شامل اجلاس ہوئے۔

معاونین اسماعیل دینی خواہان حزب اللہ اور دروازے
تشریف فرما ہوئے۔ کارکنان حزب الانصار ان سب
کے شکر گزار ہیں۔

حسب ستر سال بھی نہایت
اٹھائے سو سالانہ جلسہ تزکیہ اقسام کے ساتھ حزب
الانصار کا سالانہ جلسہ ۱۴-۱۵-۱۶ مارچ ۱۹۵۸ء کو انعقاد پذیر ہوا
اور اپنی شاندار روایات کو تازہ کر گیا بفضل ایزدی جلسہ ہر پہلو سے
کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوا۔

علمائے کرام کا استقبال علمائے کرام ۱۴ مارچ کو گیارہ بجے
کی گاڑی پر تشریف فرما ہوئے اداران کے استقبال کے لئے مسلمان بھیرہ
و علاقہ نہایت ذوق و شوق سے جوق در جوق پہنچے۔ اور استقبال کی
صورت میں جان بیکار ہوئے۔

بازاروں کی آرائش گنج منڈی سے لے کر جامع مسجد تک
بازار جھنڈیل۔ قطعات اور دروازوں سے آراستہ تھے۔

جلسہ گاہ کا قدرتی منظر جامع مسجد کا وسیع صحن اور خوش نما
منظر قلوب ارواح کو مسح کر رہا تھا

حاضریں کی تعداد غالباً یہ بانی حزب الانصار اور خاندان
بگوبہ کے بزرگوں کی قلبیت اور خصوصیت نما
اشترقا کہ باوجود مخالفانہ پروپیگنڈہ اسکے حاضرین کی تعداد ہر نشست میں
کئی ہزار سے کم نہیں رہی۔

دارالعلوم عزیزیہ کا داخلہ!

دارالعلوم عزیزیہ کے نئے سال کا داخلہ ۵ شوال سے
شروع ہو کر ۲۰ شوال تک کھلا ہے گا۔ تمام طالبان علوم دینیہ کو
ان تواریخ پر پہنچ جانا چاہئے۔ یا اپنی آمد کی درخواست بنام ناظم
دارالعلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ روانہ کر دینی چاہئے۔

مدعوین حضرات مدعوین حضرات میں سے مندرجہ ذیل
حضرات تشریف فرما ہوئے۔

تذرات

ایک خطرناک حالت کی طرف توجہ | یہ تو محض ایک نظریہ ہے
اور اصلاح کی ضرورت | انہیں کہ تمام افراد ہسانی

میں اسبابِ میشت کی ملکیت اور ان سے استفادہ کے لحاظ سے
بالکلیہ مساوات ہو جائے۔ حقیقت وہ ہے جس کو قرآن مجید نے واضح
کیا ہے۔ واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الذوق۔

فما آتٰہم فضلوا برادٰی رزقہم علی ما ملکتم ایمانہم
فہم فیہ سواۃ اور فرمایا۔ ورفح بعضکم بعض درجاً
لیبسلوکم فی ما آتاکم (یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کے
مرتبے دوسرے پر بلند کئے تاکہ انہیں ان چیزوں میں آوازے جو
اس نے تم کو عے رکھی ہیں) یہاں مراد طبی اور نجومی فرق مراتب ہے
کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی، کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی
مکھوم، کوئی عورت کوئی مرد، کوئی زردار، کوئی نادار، فی الخلق
والرزق والقوۃ والبسطۃ والفضل والعلم (تفسیر قرطبی)

قرآن مجید کا بتلایا ہوا یہ نظریہ فضیلت و تفوق یہ ہے کہ افراد و اقوام
کا ایک دوسرے پر فضیلت و تفوق استحصال اور ظلم کے لئے نہیں ہے
بلکہ اس لئے ہے کہ برتر اور خالق لوگ کمتر اور کمزوروں کی خدمت کریں
اور اس طرح انہیں بھی اپنی سطح تک بلند کریں۔ قدرت کی طرف سے
اسبابِ زندگی کی فراوانی کسی فرو یا قوم کو اس لئے نہیں دی جاتی کہ ان
سے محض ذاتی عیش و آرام اور لذت اندوزی کا کام نکالیں۔ اور
اپنی پیش پرستی کی خاطر اپنے سے کمزوروں اور کم زوروں کو ٹوٹے میں
لگی ہے۔ بلکہ اس لئے دی جاتی ہے کہ ان اسباب کو دوسروں کو ادینا
کرنے میں صرف کیا جائے۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس نشا ر خداوندی

کے خلاف اپنی عیش پسندی اور طبی حرص و آز کی وجہ سے اکثر افراد
و اقوام انسانیت کی سطح بلند کرنے کی بجائے کمزوروں اور زیر دستوں
کو ٹوٹ ٹوٹ کر اُسے تنزل کی طرف لے جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں
اللہ تعالیٰ نے ایک اور حقیقت بھی واضح کر کے بیان فرمائی ہے

نہین للناس حبّ الشہوات وگوں کے لئے خوبصورت کرکے بنادی
من النساء والبنین والقنابر گئی ہے محبت عورتوں، بیٹوں اور
المقنطرات من الذہب چاندی سونے کے کھنڈے ہوئے
والفضۃ والحیل المسوۃ ڈھیروں اور شان کے ہوئے
والانعام والحارث ذالک عمدہ عمدہ گھوڑوں، چرواہوں،
متاع الحیلۃ الدنیا واللہ اور کھیتوں کی، یہ تو دنیوی زندگی کا
عندک حصن المآب ہ متاع ہے۔ اور اللہ کے ہاں اس سے
بہتر حصہ ہے لوٹ کر واپس جانے کی۔
(یعنی جنت)

قرآن کریم کے اس انداز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ فسادِ بھارت
کی اصل جڑ انسان کی یہ "میلکی ذہنیت" ہے۔ جو اسے شہوت رانی و لذت
طبی، عیش پرستی، حصولِ دولت اور زینت و تفاخر کے اسباب جس
کرنے میں مشغول رکھتی ہے اور اس کے اندر اس احساس کو فنا کر دیتی
ہے کہ وہ اپنا نوع کے لئے بھی کوشش کرے۔ یہ دُور غریب مختلف
شکلوں میں نمودار ہوا کرتی ہے۔ مثلاً مٹاشی استخوانی میں سب میاں
اور بے غیرتی میں اور کام دہن کی لذت میں۔ یہ بیماری نہ صرف چند
لوگوں کی ذہنیت اور اخلاق کو بگاڑ دیتی ہے بلکہ قوم کے ریکھ افراد
بھی اس سے تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ اور اخلاط کی انتہاء ہوتی ہے
کہ پوری قوم کے اندر احساسِ زلیں، بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم

بھرتی جاری ہیں۔ بالائی طبقوں کے عیاش و کرام طلب نازنیلہ کے ناز اٹھائے جلتے ہیں۔ اور ان کے غیر ضروری اخراجات پورا کئے جانے کے لئے ٹیکسوں کی کثرت ہے۔ اور برتجارتی ٹیکس کے نتیجے میں غریبوں کے استعمال کی اشیائے ضرورت گراں ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایک عام آدمی کے لئے ملینا سکون خاطر کے ساتھ دولت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا بھی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے درگفتہ ہے۔ کہ کہیں سخت علیہا القول کے ارشاد کے مطابق خداوند تعالیٰ کا نظری تانوفی منطبق نہ ہو جائے۔ اور یہ ملک خود جسے اعمالی بد کے ہاتھوں تباہ و برباد نہ ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)

اگرچہ حالات اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ منتخب طبقہ نے تحریفِ انداز اور تحریص و ترغیب کی یوشیش کر کے زبانیں بند کرنے کی کوشش اور ذہنیوں کو بگاڑنے کی پوری سعی کی ہے۔ لیکن مجد اللہ تعالیٰ ابھی حق کی آواز بلند فرمائیے بھی موجود ہیں۔ اور جیسا کہ صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیام قیامت تک اہل حق کا طائفہ موجود رہے گا۔ اس لئے ایسے زبانیں کا فرض ہے۔ کہ وہ ان حالات کی اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھیں اور اس سارعت فی اوٹم والہان، اور اکلِ صحت، اور صرف و اسراف سے ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کریں جن کے ہاتھوں پورا ملک اور پورا معاشرہ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔

شیعہ ذاکرین کی زبان رانیاں

نظریہ میں کچھ تبدیلی پیدا ہو جائے گی جن کے مذہب کی ساری بنیاد ہی صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ مہتموں کے نبض و نفاذ پر ہے۔ اور ان محسوس کریں گے کہ اس ملک کی عظیم اکثریت کے مذہب پر رگوں اور پیشواؤں کے بلے میں زبان درازی کر کے جذبات کو مشتعل کرنا نہ انسانیت و شرافت ہے اور نہ عقل و فہم کا تقاضا، مگر نہایت انفس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ اور اپنے ملک کی اس تہمتی پروئے بغیر چارہ نہیں۔ کہ یہ معقول رویہ اختیار کرنے کے لئے ان کو توفیق نہیں ہوئی۔ اور اپنے مذہب و ملک

کی تائید و تصریب کے لئے کسی ایجابی پروگرام اختیار کرنے کی بجائے ان لوگوں نے اپنی سابقہ روایات کی طرح اب بھی دہی منگی اور تحریک پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد ملک کے مختلف گوشوں میں شیعہ سنی جھگڑے سر اٹھانے لگے ہیں۔ اور ہر جگہ صورت حال یہی ہوتی ہے کہ شیعہ حضرات جلسوں، جلوسوں، تقریروں اور نعروں سے ایک فضا پیدا کرتے ہیں۔ جس سے دہان کی کثیر سنی آبادی اپنے آپ کو مجبور و مظلوم محسوس کرتی ہے۔ اور تقریباً ایک سال کے عرصہ میں شیعہ حضرات کی طرف سے اقدام و هجوم اور تندی و زبان درازی کے واقعات سنی پاکستان کے مختلف علاقوں میں بہ کثرت ظہور پذیر ہونے لگے ہیں۔ ہم یہ نہیں جانتے اور نہیں کہہ سکتے کہ کیا یہ حقیقت ہے یا فونی ایک عوامی تاثر! لیکن عام طور سے یہ سمجھا جا رہا ہے۔ کہ ملک میں آج کل جس سیاسی پارٹی کی حکومت ہے۔ اس میں زیادہ موثر اور فعال عنصر کا درجہ ان حضرات کو حاصل ہے جو شیعہ مذہب کے ساتھ تین رکھتے ہیں

ان کے اقتدار و نفوذ کی وجہ

سے ملک میں خود بخود ایک ایسی فضا قائم رہ گئی ہے جنہاں وہ لوگ جن کا اصل مشغلہ ہی اختلاف فی سائیں کی آگ کو بھڑکانا اور جذبات کو مشتعل کرنا ہے کافی حد تک جری ہو گئے ہیں۔ اور آج کل وہ علی الاعلان جلسوں میں صحابہ کرام کی شان ارفع میں گستاخانہ کلمات استعمال کر کے لاکھوں سنی مسلمانوں کے قلوب کو مرجوح کر رہے ہیں۔ عام مسلمانوں کا تاثر یہ ہے کہ اس قدر جرأت وجہ باکی اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں کا مذہب یہ ہے۔ کہ ہماری پشت پر ایک بڑی طاقت ہے۔ اور ہم کو کبھی دار و گیر اور اعتبار کا خوف نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ان ڈاکروں کا یہ زعم ایک زعم باطل ہو۔ لیکن اب تک کے واقعات سے اگر عوام یہ تاثر لیتے ہوں۔ تو اسے بے جا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ عام لوگ تو نہ یہ جانتے ہیں۔ اور نہ ان کو پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ اصل حقیقت کیا ہے وہ تو جو کچھ ان لوگوں کے سامنے آ رہا ہے اسے دیکھتے اور اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ دیکھتے ہیں

کہ حوصلہ ملی جنگ میں حضرت فاروق عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کی گئی۔ اس پر احتجاج ہوا تمام اخبارات نے لکھا ہر جگہ جلے ہوئے۔ گستاخی کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ جو بالکل جائز اور نہایت نرم درجے کا مطالبہ تھا۔ مگر یسینوں تک گورنمنٹ عالیہ نے ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔ اور بعد از خوبی بسیار جو کچھ کیا وہ بھی حقیقت میں کچھ نہیں۔ اب اس کے بعد ایک تازہ واقعہ اور ہے رمضان المبارک کی پچیسویں رات مگر لاہور میں ایک شیعہ ڈاکر نے برسرِ عام ایک کھلے جلسے میں لاؤڈ سپیکر پر ایسی دل آزار تقریر کی جس کو سن کر برداشت کرنا کسی مسلمانوں کے مبرہہ و استقامت کی انتہا ہے اس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایسے گستاخی کلمات استعمال کئے جس سے اشتعال پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے فرقہ دارانہ نفرت انگیزی کی انتہا کر دی۔ مگر شہر کے علماء کرام نے عام مسلمانوں کو جس دسکون کی تلقین کر کے ان کے مشتمل جذبات کو قابو میں رکھا۔ اور مسلمانوں کو بجایا کہ ہم اپنی حدود میں رہ کر قانونی کارروائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مقامی حکام سے دفعہ دیے۔ اخبارات میں احتجاج ہوا۔ وزیر اعلیٰ سے ایک وفد نے ملاقات کی۔ مگر اس تمام کدو کاوش اور جدوجہد کے باوجود ابھی قانون کی شیرازی حرکت میں نہیں آتی۔ اور اس قسم کی سست رفتاری اور بے پرواہی سے لوگ مجبوراً ہی تاثر لیتے ہیں کہ اس معاملہ میں شیعہ اقتدار اپنا اثر کر رہا ہے۔ اور انتظامیہ کو بھی گرفت کرنے کی جرات نہیں۔ ممکن ہے حقیقت کچھ اور ہو لیکن بہر حال عام مسلمانوں کے سامنے تو ارد گردی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ اور ان کو یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے۔ اور یقیناً لوگوں کے ذہن میں سمجھتا رہی تاثر آئے رہا ملک مستقبل کے لحاظ سے مفید نہیں۔ اور اس میں بہت سے سیاسی خطرات مضمر ہیں۔ دانش مندی اور ملکی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اباب حکومت اس قسم کے تاثرات کے پیدا ہونے کے مواقع پیدا نہ ہونے دیں۔ عدل و انصاف اور عقل و دین کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ اس ملک

میں اس طرح کی افتراق انگیز اور جذبات کو مروج کرنے والی تقریریں کرتے ہیں۔ اور فرقہ دارانہ فضا کو مکھڑ کر کے باشندگان ملک کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ اور ایسے زبان درازوں کی زبانیں کسی موثر تدبیر سے مستقل طور پر بند کر دی جائیں۔ اور اگر ذاتی رجحانات و نظریات اور گروہی عصبیت کی بنا پر خاموشی اختیار کی گئی اور ایسے لوگوں کا احتساب نہ کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک کے نگہبان خود ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بڑے بڑے فتوؤں کا دوازہ کھول رہے ہیں۔ اور انہیں سوچنا چاہئے کہ پھر ان فتوؤں کی لپیٹ سے کوئی بھی بچنے والا نہ رہے گا۔ اب خود سوچنا چاہئے کہ کیا ایک شیعہ ڈاکر کی خاطر عزیز ہے یا پورے ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور کروڑوں باشندگان ملک کے مفاد کو مقدم سمجھنا ضروری ہے۔

(ضوری نوٹ) ان سطور کے لکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ شیعہ ڈاکر خادم حسین کو سینٹر ایکٹ کی دفعہ سے کے تحت گرفتار کیا گیا ہے۔ اس بات میں مختصراً ہم اس قدر عرض کر سکتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے اصل مطالبہ کو منظور نہیں کیا گیا۔ ہم امر لا سیفی ایکٹ کے خلاف ہیں خواہ ہمارا مخالف ہی اس کا شکار ہو جائے۔

عربی مدارس کی اہمیت اور ان کی تنظیم

عربی مدارس کے بارے میں لکھا اور ان کی اہمیت و وقعت ثابت کی ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ جریدہ شمس الاسلام کی حیثیت ایک عربی مدرسہ کے ترجمان کی بھی ہے۔ اور اس لئے یہ اُس کے فرائض منصبی میں داخل ہے کہ مدارس عربیہ کے سلسلہ میں ضرور ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتا رہے۔ لیکن اس کے علاوہ ویسے بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ پوری اہمیت رکھتا ہے۔ بات بالکل بدیہی ہی ہے مسلمان کہتے اُس شخص کو ہیں جو اسلامی احکام و قوانین پر عمل کار بند ہو۔ اور عمل، علم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی احکام و قوانین جاننے والے ہوں۔ ان احکام و قوانین کا ماخذ اللہ کی کتاب

میں اس طرح کی افتراق انگیز اور جذبات کو مروج کرنے والی تقریریں کرتے ہیں۔ اور فرقہ دارانہ فضا کو مکھڑ کر کے باشندگان ملک کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ اور ایسے زبان درازوں کی زبانیں کسی موثر تدبیر سے مستقل طور پر بند کر دی جائیں۔ اور اگر ذاتی رجحانات و نظریات اور گروہی عصبیت کی بنا پر خاموشی اختیار کی گئی اور ایسے لوگوں کا احتساب نہ کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک کے نگہبان خود ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بڑے بڑے فتوؤں کا دوازہ کھول رہے ہیں۔ اور انہیں سوچنا چاہئے کہ پھر ان فتوؤں کی لپیٹ سے کوئی بھی بچنے والا نہ رہے گا۔ اب خود سوچنا چاہئے کہ کیا ایک شیعہ ڈاکر کی خاطر عزیز ہے یا پورے ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور کروڑوں باشندگان ملک کے مفاد کو مقدم سمجھنا ضروری ہے۔

کی کامیابی اور اس نظام تعلیم کو ہمہ گیر کرنے کے نکتہ نگار سے کبھی غور نہیں کرتا۔ اور اس تنظیم کے فقدان اور آپس کی بے ربطی بلکہ بعض مدارس میں رقابت و مسابقت کے جذبہ نے روحانی اور معنوی بے برکتی کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی ان مدارس میں سے ہر مدرسہ کے نظام کو کمزور کر دیا ہے۔ اور کمزور نظام کی وجہ سے طلبہ پر ان کے اخلاق و عادات پر پورا کنٹرول نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے نتیجے میں علمی انحطاط بھی رونما ہو رہا ہے۔ معنوی برکت بھی غنقا ہوتی جا رہی ہے۔ اور کسی اخلاقی ضابطہ میں بھی طلبہ کو کس کس نہیں رکھا جاسکتا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تنظیم کا فقدان واحد سبب نہیں بلکہ مخصوص حالات کو بھی کافی حد تک دخل ہے۔ لیکن اتنا یقیناً درست ہے۔ کہ اس چیز نے بھی پورے طور پر اثر پڑ ڈال دیا ہے۔ کیا مدارس عربیہ کا انتظام کرنے والے انتظام کے ساتھ تنظیم کی طرف بھی کچھ توجہ فرمائیں گے؟ فہم شمع دایع اور حجب اذان

قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کا علم ضروری تھا۔ قرآن و حدیث عربی زبان میں ہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے عربی زبان جانتا ضروری ہے۔ لہذا ایسی تعلیم کا ہون کی اشد ضرورت ہے جن میں عربی زبان کو علمی طور پر کما حقہ سیکھنے کا اور قرآن و حدیث اور فقہ و اصول فقہ سمجھنے کا باقاعدہ انتظام ہو۔ اور ہمارے ملک کے مختلف شہروں و قصبات و دیہات میں یہ چھوٹے چھوٹے عربی مدارس اس کام مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اُن لوگوں نے جاری کئے ہیں جن کو دین سے، قرآن و حدیث سے، خدا و رسول سے محبت اور تمکین ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہر طرح کی بے سرو سامانی اور مشکلات کے باوجود ان مدارس نے دین کی بہت بڑی خدمت سر انجام دی ہے۔ اور یہ گناہ بالکل بجائے کہ اس ملک میں اسلام اور اسلام کے نام پر اسلامانہ عرف اس لئے باقی ہیں کہ ان مدارس نے دین کی خدمت کر کے اسلام کو، اسلامی احکام و ضوابط کو، اسلامی روایات کو علمی اور علمی طور سے محفوظ و مصون رکھا ہے۔ اب ضرورت صرف اتنی نہیں کہ ان مدارس کو جو جائے دین کے قلعے اور اسلام کے محارب سپاہیوں کی چھاؤنیاں میں باقی رکھا جائے۔ بلکہ اصل ضرورت تو یہ ہے کہ ان کو مزید ترقی دی جائے۔ بد قسمتی سے پاکستان میں فضا کچھ ایسی بنی جامہ ہوئی ہے کہ ان مدارس کی افادیت بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ علم دین حاصل کرنے والے طلبہ ان مدارس کے لحاظ سے بھی کم ہوتے ہیں اور اب ان میں وہ جذبہ اور طلب صادق بھی نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ حصول علم کے لئے محنت اور دماغ سوزی اور تکالیف برداشت کر کے بھی پڑھنے رہنا اب باقی نہیں، سہولت پسندی اور سہل انگاری نے فوٹے عمل کو مطلوب کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی وجوہات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے لیکن اُن وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ان مدارس میں باہمی ربط و ضبط نہیں۔ اور ان کی کوئی باقاعدہ تنظیم نہیں۔ ہر مدرسہ میں انفرادیت پسندی نے اتنا غلبہ کیا ہے کہ وہ صرف اپنے ہی داخلی مسائل کو سمجھتا ہے لیکن مشترکہ طور پر مجموعی مدارس

دارالعلوم عزیزہ جامع مسجد بھیرہ

امیر حزب الانصار حضرت مولانا ظہور احمد گوبی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار اور (سابق) مخبر پنجاب کا ایک قدیم دینی عربی مدرسہ ہے جہاں قرآن و حدیث فقہ و اصول اور علوم ادبیہ کی تعلیم و تدریس کا انتظام جس طریقہ سے ہے اور دوسرے دور کے علاقوں سے طالبان علوم دینی اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے کے لئے آتے ہیں۔ جن کی مفت تعلیم اور درسی کتب مہیا کرنے کے علاوہ قیام و طعام اور دوسرے ضروریات کی ذمہ داری بھی مدرسہ پر ہے۔ لہذا اہل خیر مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے۔ کہ وہ عطیات اور زکوٰۃ و صدقات اور چرم قربانی کی قیمت اس مدرسہ میں داخل کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔

(عاجز افتخار احمد گوبی مہتمم دارالعلوم عزیزہ جامع مسجد بھیرہ)

اسلامی معاشرہ اور اسلامی قومیت کے عوامل

(انمولانا امین احسن اصلاحی)

مملکت پاکستان کی حکومت وحدانی طرز کی ہو یا وفاقی طرز کی رہے۔ مغربی پاکستان پورا کا پورا ایک صوبہ ہو۔ یا اس کے مختلف صوبے قرار دیے جائیں۔ ہمارے خیال میں یہ سب انتظامی نوعیت کی چیزیں ہیں۔ ملک کے انتظام اور علاج و معالجہ کے نقطہ نگاہ سے سوچ کر ان امور کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس اسلامی ریاست کی بنیاد وطنی قومیت کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ اسلامی قومیت پر مبنی ہو۔ پاکستان کی بنیاد اسلامی قومیت پر مبنی ہو چکا۔ اور اسلامی قومیت ہی کے نام پر یہ ملک حاصل بھی کیا گیا ہے۔ مگر کچھ اسلام دشمن لوگ اس ملک میں رہ کر اس مملکت کی جڑوں کا ٹٹا چاہتے ہیں۔ اور ان کا ارادہ ہے۔ کہ غیر اسلامی نظریات کو فروغ دیکر تدریجاً اس ملک کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ اور وہ وطنی قومیت۔ نسلی اور لسانی قومیت کا قلمہ خیز لغو و برباد کر رہے ہیں۔ اور ان کا مطالبہ ہے۔ کہ انہی بنیادوں پر مشرقی اور مغربی پاکستان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے۔ اور انہی بنیادوں پر مغربی پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں۔ ہم ان نظریات کو اسلامی تعلیمات کی رو سے غلط سمجھتے ہیں۔ اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست کی اصل بنیاد محض مذہبی قومیت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا اصلاحی کا مضمون پورے غور و غوض کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔

(مرتب)

ہے۔ وہ کیا محرکات ہیں جو ان میں باہم ربط و اتصال کا جذبہ پیدا کرتے اور ایک دوسرے کیلئے قربانی اور ثناء پر ابھارتے ہیں تو اس سے خود ریاست کی حقیقت اور اس کے اجزائے ترکیبی میں اتصال و اشتراک کی نوعیت اچھی طرح سمجھ میں آسکے گی۔ اس وجہ سے ہم یہ بتائیں گے کہ قومیت کن عوامل کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہے۔ صنعت اور قوت کے لحاظ سے ان کے کیا درجے ہیں۔ ان عوامل سے متعلق جدید اور قدیم نظریات میں کیا اختلاف ہے پھر اس امر پر غور کریں گے کہ ایک عام قومیت اور ایک اسلامی قومیت میں کیا فرق ہے۔ اور ان دونوں سے پیدا ہونے والی ریاستوں کے مزاج اور ان کے اطوار پر اس فرق کے کیا اثرات مترتب ہوتے ہیں۔

قومیت کے عوامل قومیت چند چیزوں کا اشتراک ہے جو درمیان میں

علمائے سیاست، ریاست کا تدبیری انتظام اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خاندانوں کے اجتماع سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ معاشرہ اپنے ایک خاص دور میں قومیت کا روپ دھار کر رہتا ہے۔ اور جب قومیت اپنے سیاسی شعور کے لحاظ سے اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ اس کے تمام افراد ایک بالاتر اقتدار کی اطاعت کرنے لگتے ہیں۔ تو ریاست، وجود میں آ جاتی ہے۔

اس تدبیر کی روشنی میں ریاست کے اوصاف اور اس کی خصوصیات پر غور کرنے سے پہلے خود معاشرہ اور قومیت کی حقیقت اور ان کے اوصاف و خصوصیات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ کہ قومیت کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں، لیکن چیزوں سے اس کے مختلف اجزاء میں اشتراک و اتقان پیدا ہوتا

نسل۔ زبان۔ جغرافیائی یکجائی۔ تہذیب۔ روایات۔ مذہب۔ انسانوں کے کسی گروہ میں اگر یہ چیزیں مشترک ہوں۔ اور اس کے افراد میں ان کے اشتراک کا شعور بھی زندہ ہو۔ تو قدرتی طور پر وہ ایک دوسرے کی ہمدردی و حمایت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کو سمجھتے ہیں۔ رنج و راحت اور دکھ سکھ میں اپنے کو ایک دوسرے کا شریک خیال کرتے ہیں۔ اور زندگی کے مسائل پر ایک ہی طرز پر سوچتے ہیں۔

نسل کا اشتراک حمایت و حمیت کا سب سے بڑا محرک ہے۔ زبان کا اشتراک ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے میں سب سے بڑا معاون ہے۔ جغرافیائی یکجائی دوسروں کے مقابل میں بڑے تحفظ اور مدافعت کا احساس پیدا کرنے کیلئے سب سے زیادہ مؤثر عامل ہے۔ اور تہذیب و روایات کا اشتراک طرز فکر میں ہم آہنگی و ہم رنگی پیدا کرنے کے لیے سب سے زیادہ کارگر ہے۔ جہاں اشتراک کے یہ تمام عوامل موجود ہوں۔ وہاں امت و ارتباط کا جذبہ اور حمایت و حمیت کا دلولہ پایا جاتا ہے۔

قومیت کا نیا منظر
دنیا میں ابتداء سے قومیت کے مذکورہ عوامل ہی اصلی عوامل کی حیثیت سے مستم رہے ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں۔ کہ یہ عوامل بالکل فطری اور قدرتی ہیں۔ لیکن سائنس کی ترقیوں نے ان عوامل میں سے اکثر تو شہر بد کر کے اب ساری اہمیت صرف جغرافیائی حدود یا دوسرے الفاظ میں وطن کو دے دی ہے۔ وطن کو ایک اہم عامل کی حیثیت تو پہلے بھی حاصل تھی۔ لیکن اب اصلی عامل یہی نہیں۔ اگر اس عامل کے ساتھ دوسرے عوامل بھی موجود ہوں۔ تو بہتر لیکن اگر یہ موجود ہے۔ اور دوسرے عوامل موجود نہیں ہیں۔ تو اسی کو اصل قرار دے کر دوسرے عوامل اب اسی سے مصنوعی طور پر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

وطن کے ایک فطری عامل قومیت ہونے سے تو جیسا کہ

عرض کیا گیا۔ انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن جس نوعیت سے اب اسی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ وہ فطرت کے تقاضے سے زیادہ ضرورت کی ایجاد ہے۔ سائنس کی ترقیوں نے اب قوموں میں تحفظ اور مدافعت کے احساس کو دوسرے تمام احساسات پر غالب کر دیا ہے۔ اس وجہ سے قومیں اب جغرافیائی حدود کو نسبت زیادہ اہمیت دینے لگی ہیں۔ اب نسل زبان اور روایات کو اتنی اہمیت نہیں دیکھتی۔ جتنی اہمیت ریاضوں سمندروں، پہاڑوں اور دوسرے قدرتی دفاعی حصارات کو دی جاتی ہے۔ پہلے قومیتیں عموماً زمین کے اتنے ہی خطہ پر قیامت کرتی تھیں جتنے کو وہ اپنی نسل اور اپنی تہذیب اور روایات کا گہوارہ سمجھتی تھیں۔ اس دائرے سے آگے بڑھنے کی خواہش صرف وہی قومیں کرتی تھیں۔ جو غیر معمولی طور پر جو صد مند ہوتی تھیں اور دوسروں کو اپنا محکوم بنانا چاہتی تھیں۔ لیکن اب ہر قومیت اپنے وطن کے حدود اقتصادی اور دفاعی نقطہ نظر سے معین کرتی ہے۔ اور اس پورے دائرے پر بہر حال قابض رہنا چاہتی ہے۔ اگرچہ خود اس کا اپنا وجود اس کے وطن کی قبائے چھوٹا ہو۔ وہ بجائے اس کے کہ اپنی قیامت کے لحاظ سے اپنی قبائے کو تلاش یہ کرتی ہے۔ کہ کھینچ تان کر کسی طرح اپنے وجود کو اس قبائے مناسب بنائے۔ اپنے آپ کو مصنوعی طور پر بڑھانے کا واحد طریقہ جو وہ اختیار کر سکتی ہے۔ یہی ہے۔ کہ اپنے وطن کے جو حدود اس نے قرار دے لیے ہیں۔ اس کے اندر جو دوسری قومیتیں ہیں۔ ان کو اپنے اندر ضم کرنے کی کوشش کرے۔ ان کے اندر خود ان کی نسل۔ خود ان کی زبان اور خود ان کے مذہب یا روایات کے لیے جو احساسات پائے جاتے ہیں۔ ان کو دباوے۔ اور ایک وطنی قومیت کے نظریے کے تحت خود اپنی زبان اپنے مذہب اپنی روایات اور اپنے اشخاص و رجال کی عزت و احترام کو ان کے ذہنوں پر مسلط کرے تاکہ وہ ظاہر و باطن دونوں میں غالب قومیت کے ہم رنگ ہو جائیں۔

مذکورہ عوامل کے تقاضے
مذکورہ عوامل کے تقاضے ہونے سے تو جیسا کہ عرض کیا گیا۔ انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن مجرد ان عوامل سے جو قومیت وجود میں آتی ہے۔ اس کے مزاج میں چند خرابیاں لازماً موجود ہوتی ہیں۔ پہلی خرابی تو یہ ہے۔ کہ اس طرح کی قومیت نہایت تنگ نظر ہوتی ہے ہر معاملہ میں اس کے زادیہ نگاہ پرستی اور قومی رنگ غالب ہوتا ہے۔ اس کی ساری توجہ کا مرکز ہندی نسل الفانی میں سے صرف ایک محدود حصہ ہوتا ہے۔ اور اسی کو وہ ہندی انسانیت سمجھتی ہے۔ اس کے لیے یہ بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ کہ وہ کبھی تمام انسانوں کے معاملہ پر اس نقطہ نگاہ سے غور کر سکے۔ کہ یہ سب ایک ہی آدم و خولکی اولاد، ایک ہی جسم کے اعضاء، جوارح، ایک ہی خاندان کے افراد، اور ایک ہی برادری کے اعضاء و اولاد ہیں۔ ایک قلیل حصہ کے مواصلہ دی دنیا کے ساتھ اس کے تعلقات محدودانہ اور مشفقانہ ہونے کی بجائے یا تو رقیبانہ و حاسدانہ ہوتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ مصیحت پرستانہ۔ یہ اپنے سوا سب کی بدخواہ اور دشمن ہوتی ہے۔ اور یہ بدخواہی و دشمنی اس کے دائرے میں عیب کے بجائے سہرہ سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کو قوم پرستی کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری خرابی اس کے اندر یہ ہے کہ یہ نہایت گہرے نسلی تعصب کی مرلین ہوتی ہے۔ یہ تعصب اس کے دائرے میں مرض کے بجائے صحت و قوت کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ اس تعصب ہی کو وہ اپنے استحکام کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ اس وجہ سے قومیت کے تمام اجزاء کے اندر اس جذبے کا برابر بھڑکتے رہنا عین مطلوب ہوتا ہے اس آگ کو بھڑکاتے رکھنے کے لیے اس کی ماضی کی روایات کے اندر سے بھی ایندھن فراہم کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مستقبل کے حوصلوں سے بھی اس کو ہادی جاتی ہے۔ اور جو لوگ زیادہ مقدار میں یہ اسباب استعمال فراہم کرتے ہیں۔ وہی قوم کے اصلی خواہ اور حقیقی ہر و سچے جاتے ہیں۔ اس آگ کو مشتعل رکھنے کیلئے اگر

مزید ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو عدل و انصاف، رحم و ہمدردی انسانیت اور رواداری کے معروف اقدار بھی اس میں بھونک دیئے جاتے ہیں۔ اور محاط اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ "میری قوم خواہ حق پرستوں یا باطل پرستوں اس حد پر پہنچ جانے کے بعد یہ قومیت ہی حق و باطل کی کسوٹی بن جاتی ہے۔ جو چیز اس کے حق میں جاتی ہے وہ تو حق بن جاتی ہے۔ اور جو اس کے مفاد کے خلاف پڑتی ہے۔ وہ باطل بن جاتی ہے۔ بڑا سے بڑا جھوٹ۔ بڑا سے بڑا ظلم۔ اور بڑا سے بڑا فساد، نیکی اور انصاف بن جاتا ہے۔ اگر یہ کسوٹی اس کو نیکی اور انصاف قرار دیتی ہے۔ اور واضح سے واضح سچائی اور قطعی سے قطعی انصاف کی بات بھی غداروں اور بغاوت ٹھہرا دی جاتی ہے۔ اگر یہ کسوٹی اس کو غداروں اور بغاوت ٹھہرا دے۔ اس طرح کی قومیت کے دائرے کے اندر اس کے کوئی امکان نہیں ہوتا۔ کہ کوئی شخص اس کسوٹی سے بالاتر کسی اور معیار حق و باطل کو سامنے رکھ کر کوئی بات کہہ سکے۔ یا کوئی کام کر سکے۔ اگر وہ ایسی جرأت کرے۔ تو عجب نہیں۔ کہ اس کو پھانسی کی سزا ملے۔ اگرچہ وہ سقراط ہی کے درجہ ہی کا آدمی کیوں نہ ہوں۔ اس میں تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ یہ اندوہ دوسروں کو قائل کر کے ان کو جیت لینے کی فطری صلاحیت سے بالکل محروم ہوتی ہے۔ اس کے لیے دو ہی صورتیں ممکن ہوتی ہیں یا تو وہ اپنے قول کے اندر سچی سچائی پٹی رہے۔ یا پھر جارحانہ عزم اور فاقانہ حوصلہ کے ساتھ۔ اور جن پر اس کا زور ہے ان کو زیر نگین کر لے۔ ان دو صورتوں کے سوا اس کے لیے کوئی تیسری راہ نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے یہ یا تو دوسروں سے مار کھا جاتی ہے۔ اگر اس کا مزاج منفعل اور شرمیلا ہوتا ہے۔ یا دوسروں سے لڑتی بھڑکتی رہتی ہے۔ اگر اس کا مزاج جارحانہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس دلوں کو جیتنے اور عقول کو قائل کرنے کیلئے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ کہ جو لوگ اس کے دائرے سے باہر ہیں۔ وہ اسکی منطق اور محبت سے منفصل ہو سکیں۔ یہ طاقت صرف نظریات و اصولوں

میں ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ عقل و فطرت پر مبنی ہوں۔ تو وہ دلوں کو منحرف کر لیتے ہیں۔ اور لوگ ان کے قائل ہو کر خود ان کے علمبردار اور ان کے پیش کرنے والوں کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ لیکن نسل اور نسب سے بنی ہوئی قومیت کے اندر آخر دوسری نسل والوں کے لئے کونسی کشش ہو سکتی ہے؟ دوسروں کے اندر اس کے لئے اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ تو تعصب کے جواب میں تعصب، احساس، برتری کے جواب میں احساس برتری اور نفرت ہی ہو سکتی ہے۔ اصول اگر عقل و فطرت پر مبنی ہوں۔ تو ساری دنیا پر چھا سکتے ہیں۔ اور امت نسل انسانی۔ رنگ و خون اور زبان و تہذیب کے سارے اختلافات کے علی الرغم ان کے لئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیتی ہے۔ لیکن کسی خاص نسل کے دعویداروں کے آگے از خود لوگ کیوں سپر انداز ہو جاتیں۔ اپنے اس نقص کے سبب کسی نسل کی قومیت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہوتی۔ کہ وہ کسی جهانی ریاست کی بنیاد رکھ سکے اس طرح کی کسی مبنی حوصلہ قومیت نے اگر کبھی دنیا پر چھانے کی کوشش کی بھی ہے۔ تو وہ آذمی اور طوفان کی طرح چھائی ہے۔ اور طوفان ہی کی طرح غائب بھی ہو گئی ہے۔ سکندر۔ پولیس اور تیمور کی فتوحات کی وسعت سے کوئی انکار کر سکتا ہے۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ان کا اقدام جتنا تیز تھا۔ اس سے زیادہ تیز ان کی حرکت تھی۔

اس کی چوتھی خسروانی یہ ہے کہ نسل کا اشتراک قومیت کے ایک عامل کی حیثیت سے کوئی مثبت زیادہ قوی عامل نہیں ہے۔ یہ تعاون و ہمدردی اور حمایت و حمایت کا محرک اسی حد تک ہوتا ہے جس حد تک کسی نسل کے افراد میں ہم نسل کی یادداشت تازہ ہو۔ یہ یادداشت چند پشتوں تک تو بلاشبہ باقی رہتی ہے۔ لیکن اس سے آگے جا کر یہ اتنی معجز اور بے جان ہو جاتی ہے۔ کہ اس کی حیثیت ایک داہمہ اور خیال سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ اول تو کسی نسل کے متعلق

یہ دعویٰ کرنا ہی مشکل ہے کہ وہ اختلاط سے محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ اگر کیا جاسکتا ہے۔ تو زیادہ سے زیادہ ان قبا ئی نسلوں ہی کی نسبت کیا جاسکتا ہے۔ جن میں نسل کے تھکلا اہتمام بھی ہے۔ اور جو اپنے محدود سیاسی اغراض کے لئے اس نسل کے دالہ کے شعور کو اپنے افراد اندر تازہ رکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ دوسروں کے اندر اس کی حیثیت جیسا کہ عرض کیا گیا ایک داہمہ اور خیال سے زیادہ نہیں ہوتی اس وجہ سے قومیت کے ایک عامل کی حیثیت سے اس کو کچھ ایسا اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اور اس کے بل پر کوئی مثبت منصوبہ وسیع قومیت قائم نہیں ہو سکتی۔

پانچویں خسروانی اس کے اندر یہ ہے کہ ان عوامل سے جو قومیت وجود میں آتی ہے۔ اس میں غلط غالب ہو کر نسل کا شعور ہی ہوتا ہے۔ زبان۔ تہذیب۔ روایات، ادب۔ اور دوسرے عوامل سب پر اسی کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مذہب بھی اگر ان کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ تو وہ بھی انہی کا ایک تابع ممل بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ بھی نسلی قومیت کی مذکورہ خرابیوں کی کوئی اصلاح کرنے کے بجائے ان میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا ہے۔ ہماری سرادھت یہاں اپنی مذہب نہیں ہے۔ جو مشترک نہ عقائد کے تحت انسانوں نے خود ایجاد کئے ہیں۔ یہ مذہب تو ہونے ہی قوی اور نسلی ہیں۔ بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے۔ کہ ایک صحیح مذہب بھی نسلی عصیت کے زیر سایہ ایک نسلی مذہب بن کر رہ جاتا ہے۔ اور اپنی مہم عقلی اور فطری خوبیاں آہستہ آہستہ کھو بیٹھتا ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال یہود کا مذہب ہے۔ بنی اسرائیل نے چونکہ کبھی اپنی نسلی قومیت کے خول سے اہرجا کھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنے مذہب کو بھی جو اصلاً ایک خدائی مذہب تھا۔ تراش خراش کر اپنی قومیت ہی کے سانچے میں ڈھال لیا۔ توریت میں یہ جو بار بار آتا ہے۔ کہ خداوند اسرائیل کا خدا اور اے اسرائیل تو خدا کا پلوٹھا ہے۔ یہ سب اسی عصیت نسلی کی پیدا کردہ تعبیریں ہیں۔ انہوں نے

دینی قومیت کے مفاسد کے علاوہ کچھ مزید مفاسد بھی ہیں جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اصل بحث سے پہلے اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ وطن کا ایک عامل قومیت ہونا ایک علیحدہ چیز ہے۔ اور وطن کو اساس بنا کر مختلف قومیتوں سے ایک تہیہ قومیت کا کتبہ جوڑنا ایک علیحدہ شے ہے۔ جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے۔ وہ بالکل مقتضائے فطرت ہے۔ جس طرح ہر شخص کو اس کا گھر عزیز ہوتا ہے۔ اس کے کونے کونے اور گوشے گوشے سے اس کی روایات وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اس کی حفاظت اور اس کے اوپر اپنا حق قائم رکھنے کیلئے وہ بسا اوقات اپنا مال اور اپنی جان سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اور ایسا کر گزارنا ہر حق پسند کے نزدیک مستحسن اور غیرت مند کام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر قومیت کو اس کا وطن عزیز و محبوب ہوتا ہے۔ وہ اس کو اپنی جنم بھومی اور مادر وطن سمجھتی ہے۔ اس کو اپنی تہذیب اور تمدن کا گہوارہ خیال کرتی ہے۔ اس کے چہرے پر اس کے اسلاف کی عظمت اور اس کے اباؤ اجداد کے کارناموں کی تاریخ ثبت ہوتی ہے۔ اس کے دریا اور پہاڑ اور اس کے نشیب و فراز سب کی زبانوں پر اس کی روایتیں اور حکایتیں ہوتی ہیں۔ اس کے پہاڑوں میں اس کی زندگی کے سرچشمے، اس کے کھیتوں اور باغوں میں اس کی بہاریں ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے ہر قوم اپنے وطن کو اپنی مشترک دولت سمجھتی ہے۔ اور یہ اشتراک اس کے اندر ہم وطنی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جو ان کو وطن سے مشترک استفادہ اور اس کی مشترک حفاظت و صیانت کے لئے برابر جوڑے رکھتا ہے۔ یہ چیز عین تقاضائے فطرت ہے۔ نہ یہ عقل کے خلاف ہے۔ اور نہ مذہب و اخلاق کے لیکن دوسری چیز یعنی وطن کو اساس قرار دے کر مختلف قومیتوں کو ایک متحدہ قومیت میں جوڑ دینا ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ جس کی خرابیاں بالکل واضح ہیں۔

مذہب سے روشنی لینے اور اس روشنی سے اپنی نسلی عصیت کی تنگ نظری دور کرنے کے بجائے اپنے مذہب کو بھی اپنی ہی طرح تنگ نظر اور متعصب بنا ڈالا۔ اور یہ مذہب بجائے اس کے کہ ان خرابیوں کے دور کرنے میں کچھ معین ہوتا رہے جو نسل و نسب سے بنی ہوئی قومیت کے اندر مضمر ہیں۔ انسان خرابیوں کو بجلائیاں ثابت کرنے میں ان کا ایک غیبی مددگار بن گیا۔

اس میں چھٹی خرابی یہ ہے کہ اس قومیت کے مطالبات اور فطرت سلیم اور عقل سلیم کے مقتضیات ایک خاص دائرہ ہی تک ہم آہنگ رہ سکتے ہیں۔ اس خاص دائرے سے آگے بڑھ کر کوئی ان کو ہم آہنگ رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس دائرے سے آگے قومیت کے تقاضے صرف انسانیات کے وسیع مفادات اخلاق کے معروف سمات اور انصاف کے ہمہ گیر اصولوں سے متصادم ہوتے ہیں۔ قومیت کے علم بردار اس تضادم کو دور کرنے کیلئے قومیت کے مفاسد کا اعتراف کرنے کے بجائے کوشش اس بات کی کرتے ہیں کہ قومیت ہی کے اساس پر انسانیات اخلاق اور انصاف کا ایک بالکل ہی نرالا فلسفہ تیار کر دیں۔ یہ فلسفہ تیار تو ہو جاتا ہے۔ پڑھے لکھے ذہنی لوگ اگر آمادہ ہو جائیں تو کیا نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ فلسفہ سلیم الفطرت انسانوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ اس کے لئے مثال کے طور پر سولہویں صدی کے سیاسی فلسفی میکا ویلی کی تحریریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح کے فلسفے اہل سیاست کی انگلیں پوری کرنے کا وقتی طور پر ایک ذریعہ تو ضرور دین جاتے ہیں۔ لیکن انسان چو کہ ایک نسلی حیوان ہی نہیں۔ بلکہ اپنی عقلی و اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے۔ اور اس کا یہ پہلو اس کے تمام دوسرے پہلوؤں پر غالب ہے۔ اس وجہ سے اندر سے طبیعت ان سے برابر باکرتی رہتی ہیں۔ اور جس چیز پر کسی معاشرہ کے معقولیت پسند لوگ مطمئن نہ ہوں۔ اس کے بودے پن کو کتنے دنوں تک چھپایا جاسکتا ہے۔

اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(عبدالقادر عودہ شہیدؒ)

[اس مضمون میں مسلمانوں کی تحریک اچھے اسلام اور اقامتِ دین کی ایک ہم گیر اور مستحکم بنیادوں پر قائم تحریک ہے۔ اور بہت سے رجالِ کار اور صاحبِ عزیمت و اشتیاقِ مومنین اس کی قیادت درہنہائی کرنے والے ہیں بانی تحریک اور جماعت کے مرشدِ عام حسن البنا و شہیدِ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس جماعت کے ممتاز رہنماؤں میں سے عبدالقادر عودہ شہیدؒ بھی ایک ممتاز قائد تھے۔ وہ مصر کی عدالت عالیہ کے جج تھے۔ اور ان کی قانونی مہارت و قابلیت مسلم تھی وہ اس دعوت سے متاثر ہوئے۔ طلبِ سلیم اور ایمان کی دولت جادید رکھتے تھے اس لئے اسلام کی خاطر تمام مناصب اور دنیوی سرزازیاں چھوڑ کر جماعت میں ایسے شامل ہوئے کہ اپنی ساری زندگی وقف کردی اور انہوں نے دین کی حمایت میں بہت سی اہم علمی کتابیں لکھیں اور بہت سے مسائل کو صاف اور منطقی کر دیا۔ التشیع الجناحی الاسلامی ان کی شاندار اور بے نظیر کتاب ہے۔ جس کی ہر ہر سطر سے ان کی علمیت و قابلیت کے علاوہ ان کا رسوخ فی الایمان اور صلب فی الدین بھی نمایاں ہو رہا ہے۔ اس کی دوسری جلد بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مصر میں فوجی انقلاب ہوا۔ اور بدقسمتی ملک و ملت سے جمال عبدالنہجیہ آمرِ مطلق اور دین سے آزاد شخص کو اقتدار نصیب ہوا۔ اس نے اپنی آمریت اور مغریت کی راہ میں الاتخوان کے وجود کو ایک کانٹا سمجھا اور اپنی من مانی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر

اس نے الاتخوان کو کمپنا اور تنباہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بے انتہا مظالم اور سخت گیریوں سے الاتخوان کے ہزاروں نوجوانوں کو مبتلائے رنج و عذاب کر دیا۔ یہ ایک طویل اور خون چلاں داستان ہے اس سلسلے میں عبدالقادر عودہ اور اس کے چار دوسرے رفقاء پر اقدام اور سازشِ قتل کا جھوٹا الزام لگا دیا۔ اور پھر فوجی "عدالت" قائم کر کے سرسری فہمی سماعت کر کے ان کو پھانسی دینے کا فیصلہ سنایا۔ اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود ان پانچ مجاہدوں کو پھانسی دیدی۔ ان ظالم و انا البیہ را جھوٹوں۔ یہ کرنل ناصر کا ایک ایسا ظلمِ عظیم ہے کہ اس کی کوئی دوسری خوبی اگر بالفرض ہو بھی۔ اس کے داغ کو مٹا نہیں سکتی۔ عبدالقادر شہید نے الاسلام و اوضاعنا القانونیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے بعض حصوں کا یہ سلیس ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں اگرچہ مصر اور مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن اگر مصر کی بجائے پاکستان پیش نظر رکھا جائے تب بھی سمجھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مضمون اس قابل ہے کہ غور سے پڑھا اور سمجھا جائے] (درتیب)

بلادِ اسلامیہ کے قوانین

مصر اور دوسرے اسلامی ممالک میں جس قسم کے قوانین رائج ہیں۔ ان سے قانون کا اصل منشاء اور مقصد ہی فوت ہو رہا ہے ان کو ہمارے اصول و مصالح سے اتنی التعلیق بھی نہیں ہے اور ان

گوہناری جانب منسوب کرنا کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ جانے
دل و دماغ میں ان کے احترام کے لئے کوئی جگہ ہے۔ اور نہ ہمیں
کے سامنے تسلیم خم کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ مالک اسلامیہ
نے جس دن سے اسلام کو قبول کیا ہے۔ اسی دن سے وہاں اسلامی
قوانین کا نفاذ عمل میں آگیا تھا۔ یہ قوانین صدیوں تک جاری اور
نافذ رہے۔ حتیٰ کہ یورپ کے استعمار پسندوں نے ان مالک کو
اپنے تسلط میں لے لیا۔ اور وہاں یا تو خود مغربی قوانین کو رائج
کر دیا یا مقامی حکومتوں کو تربیت دیکر اس پر آمادہ کیا کہ وہ
اپنے مریضوں کے زیر سایہ جدید طرز کے قوانین اپنے ہاں وضع
کریں۔ اس کاروائی کے لئے بار بار جو دلیل پیش کی جاتی تھی۔ وہ
یہ تھی کہ ان قوانین سے مقصود یہ ہے کہ مغرب کی ترقی یافتہ
تہذیب و معاشرت کو اخذ کیا جائے۔ گویا کہ مغرب کے تمدن
کے معراج کمال تک رسائی ہو چکی ہے۔ اور مسلمانوں کے پیچھے
رہ جانے کی تہا وجہ قوانین شریعت کی پابندی ہے۔ یہ دلیل
اپنے بود سے بے بن کے باوجود بعض دماغوں میں جاگزیں ہو گئی۔
حتیٰ کہ اسے عام طور پر صحیح سمجھا جانے لگا۔ اسے کتابوں میں لکھا
جانے لگا۔ اور مدارس میں اسے پڑھایا جانے لگا۔

دلیل باطل

اس دلیل کے علمبردار اگر کچھ غور و فکر سے کام لیتے تو
انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کی دلیل بالکل لغو اور باطل ہے۔ اگر
وہ تھوڑی دیر کے لئے سوچتے تو انہیں اندازہ ہو جاتا کہ
جن قوانین پر وہ لٹو ہوئے جا رہے ہیں۔ وہ تمام تہذیب
لاطینی قوانین سے ماخوذ ہیں۔ جب مسلمانوں کا تصادم رومی
سلطنت سے ہوا تھا۔ اس وقت یہ قوانین رومیوں کے کچھ بھی
کام نہ آسکے تھے۔ اور مسلمانوں نے اس عظیم الشان سلطنت
کی انیٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اس طرح صلیبی لڑائیوں میں

یورپ کو مسلمانوں کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی
تھی۔ حالانکہ اس سارے براعظم میں اس وقت رومن لادہ
کی عبادت تھی۔ پھر تاریخ کے مطالعہ سے اس حقیقت کو معلوم
کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں ہے کہ عرب میں امت مسلمہ کا آغاز ایک
قتل اور ضعیف جماعت کی حیثیت میں ہوا تھا۔ اویس ہر دم یہی
کھٹکا لگا رہتا تھا۔ کہ ان کے وجود کو ہی لیا میٹ نہ کر دیا جائے
لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بیس سال بعد جو
ریاست انہی قوانین شرعیہ کے بل پر قائم ہوئی تھی۔ اس نے
فارس کی سلطنت کو تو بالکل صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا، اور رومی
بادشاہت کے تسلط سے شام، مصر اور شمالی افریقہ کو آزاد کر
لیا۔ اس کے بعد ایک ہزار سے زائد برس تک مسلمانوں کو اقوام
عالم کی امامت اور قیادت کا منصب حاصل رہا۔ انہوں نے
مسیحیوں کا قلع قمع کیا، تاتاریوں کو مغلوب کیا اور مشرقی ایشیائی
اور مغربی یورپ میں جا کر اسلام کا جھنڈا لٹا ڈالا اور وہاں بھی
صدیوں تک ریاست اور حکومت کا کاروبار اسلامی قوانین
کے تحت سر انجام پاتا رہا۔

کاش کہ یہ غافل اور سادہ لوح لوگ مصر کے مامی تہ
پر ہی نگاہ ڈال لیتے۔ محمد علی پاشا کے عہد میں مصر یورپ کے بہت
سے مالک سے زیادہ طاقتور تھا۔ مصر نے اس وقت فرانسسوں
کو مار مار کر بھگا دیا تھا اور انگلستان کا مقابلہ سمندر میں جا
کر کیا تھا۔ مصری افواج نے یونانیوں کے گھر میں جا کر ان
کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔ حالانکہ اس وقت یورپ
کی متعدد حکومتیں یونان کی مدد کر رہی تھیں۔ اس وقت اگر
دول یورپ سازش کر کے ہمارے خلاف متحدہ نہ ہو جاتیں
تو حجاز، موڈان، شام، ترکی اور مصر آج ایک ہی جھنڈے
کے نیچے جمع ہوتے اس سارے دور میں ہمارے ہاں یونان
کے قوانین نہیں بلکہ شرعی قوانین رائج تھے۔

کہ انہوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ آج تمام دیار اسلامیہ کے مسلمان محض زبانی دعویٰ کرتے والے نام کے مسلمان ہیں۔ وہ اپنے خیالات اور اعمال کے لحاظ سے مسلمان نہیں ہیں اللہ ماشاء اللہ، وقلیل ماہم۔

اگر قوانین میں جدت ہی قوموں کی ترقی کا باعث ہوتی تو عظیم انگلستان سے زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ ہوتا۔ کیونکہ بعجم کے قوانین جدید ترین ہیں۔ اور انگلستان کے متعدد قوانین قدیم ترین ہیں اور ان میں بہت سے قوانین اس وقت سے چلے آ رہے ہیں جب کہ انگلستان بالکل بھول الحال تھا۔ اور دنیا میں اسے کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ تھا۔ پھر جو لوگ شریعت اسلامیہ کے قوانین کو قدیم اور بوسیدہ سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہی غلط فہمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ یورپ کے بیشتر ضابطہ ہائے قوانین کے بالمقابل شریعت کے قوانین قدیم نہیں بلکہ جدید ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے قوانین کی بنا رومن لا پر رکھی گئی ہے۔ ان کا اٹھان رومن قانون کے نعوص و قواعد کے حدود اور جو میں ہی ہوئی ہے ان کے اندر سارے

اسامی اور بنیادی تصورات و نظریات وہی کام کر رہے ہیں جو رومن عقیدتین نے پیش کئے تھے۔ یورپ کے قوانین کی تخریج اور استنباط کا سارا کام انہی اصول و حدود کے دائرے میں سر انجام دیا جاتا ہے۔ لہذا یہ کہ کسی شدید ضرورت کی بنا پر اس راستے سے ہٹنا پڑے اس لحاظ سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے ماخذ اور معیار کے اعتبار سے قوانین اسلامیہ یورپین قوانین کی بہ نسبت جدید ترین۔ نہ کہ قدیم تر۔ کیونکہ اسلام کے قوانین کی اس قرین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور قرین و سنت کا نزول رومن لا کی تشکیل کے بعد ہوا۔ مسلمانوں کو یہ حقیقت اپنے ذہن سے کبھی غائب نہیں کرنی چاہیے کہ شریعت ہی انہیں عدم سے وجود میں لائے انہیں غیر لامنت بنانے اور دنیا بھر میں انہیں سرفراز کرنے کا موجب ہوئی ہے۔ شریعت نے ہی ان کی تعلیم و تربیت کی۔ انہیں علوم و

ان سارے واقعات کے باوجود اگر کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا باعث شرعی قوانین ہیں اور یورپ والوں کی ترقی کا سبب مغربی قوانین ہیں تو اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ کہ بعض اوقات غفلت یا غرض پرستی آدمی کو باطل اندھا بنا کر دیتی ہے۔ اس طرح کے نادان لوگوں کو سچا بیٹے کہ وہ مسلمانوں اور مغربی قوموں کی تاریخ کا کچھ مطالعہ کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کامیابی اور سرخروئی کی اصل علت کیا ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ كَيْفَ يَرِىَ لُوكَ زَمِينَ مِمَّنْ يَنْتَحِرُونَ
فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ مَا كَانُ كَ دِلْ هُونِى مِّنْ سَ
يَحَا أَدَاؤُكُمُ يَحْمَدُونَ بَهَا فَاتَّخَذَ يَ سَمَجْنَ ، يَا كَانُ هُونِى مِّنْ
لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَتَعَمَّى سَ يَ سَنَتِ يَلْقَانَا تَكْهِنُ
الْأَعْيُنُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ، اَنذْهَى هُونِى مِمَّنْ يَكُونُ
اَنذْهَى هُونِى مِمَّنْ يَكُونُ

(الحجہ - ۲۶)

مسلمانوں کا زوال اتباع شریعت سے نہیں بلکہ

ترک شریعت سے ہوا

مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا باعث شریعت ہرگز نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ قوانین شریعت رومے زمین کے تمام قوانین سے افضل اور اشرف ہیں۔ قانون کا کوئی بہتر سے بہتر نظریہ آج تک منکشف نہیں ہوا جو شریعت میں اپنی مکمل اور عمدہ ترین شکل میں موجود نہ ہو۔ علماء و قانون نے قانون کا کوئی جدید تصور اور تعمیل ایسا نہیں پیش کیا۔ جو شریعت میں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ موجود نہ ہو مسلمان آج اس لئے ذلیل و خوار نہیں ہیں کہ وہ شریعت کے قوانین پر عمل ہیں بلکہ ان کی ذات کی اصل وجہ یہ ہے

مِنْ قَبْلِهِمْ میں جیسے کہ خلیفہ بنی امیہ لوگوں کو
(النور: ۵۵) جو ان سے پہلے تھے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ اور کتاب مبین۔ اس کے ذریعے
مُبِينٌ بِه سے الطغیانی سلاطین کے راستے دکھاتا
اللَّهُ مِنَ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ ہے ریختہ رضا کی پروی کرتی وہاں کو
سُبُلَ السَّلَامِ وَنُجُودٌ اور لگاتا ہے شمس تار کھیل میں
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى سے روشنی کی طرف اپنے اذن سے
النُّورِ بِأَذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دیتا ہے۔

(المائدہ: ۱۵)

قوانین وضعیہ کا ابطال

ہر ایسا قانون جو قرآن و سنت و اس کے اصول و مبادی
اور اس کی روح کے خلاف ہو وہ مطلقاً باطل اور کالعدم ہے۔
کی مسلمان کیلئے اس کی اطاعت جائز نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف مجاہدہ
الہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے داس و نوای کا مقرر
کیا جانا کوئی فعلِ عبث نہیں ہے۔ لہذا لائے اس کا کتاب اور
اپنے رسول کو اس لئے بھیجے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں۔
جو رسول کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرتا ہے اس کا فعل صحیح
اور جائز ہے کیونکہ وہ شارع کے حکم کے موافق ہے۔ اور جو
شریعت کی مخالفت کرتا ہے اس کا فعل باطل ہے۔ لہذا لائے فرمایا
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُلٍ إِلَّا يَدْعُونَ إِلَى تَقْوَى اللَّهِ وَالْإِطَاعَةِ لِلَّهِ
اللَّهِ کے احکام سے

(النساء: ۶۴)

وَمَا اتَّكَمُ الرَّسُولُ جُوحٌ تَهْتِكُ دے رسول اس سے

آداب سکھائے۔ اور انہیں عزت و شرافت کے جوہر سے شناسا کیا
شریعت نے ایمان کے اندر قوت اور عزت پیدا کی ان کے اندر ایسے
ایسے جہانیاں اور کشور کشا پیدا کئے جنہوں نے چار دنگ عالم میں
عظیم الشان مملکتوں کی بنیاد رکھی۔ ایسے ایسے علماء و مراد با پیدا
کئے جنہوں نے علم و ادب کی بے نظیر خدمات سر انجام دیں مسلمانوں کو
ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا قانون سب سے پہلا قانون ہے
جس نے انسانوں کے مابین مساوات نامہ اور عدالت لطف کے طور
کو عملی جامہ پہنایا۔ اور ان پر تعاون علی البر و التقوی، امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کو واجب ٹھہرایا۔ ان مقاصد کے حصول کے لحاظ سے
قوانین موضوعہ شرعی قوانین کے گرد کو بھی نہیں پھونچ سکتے مسلمانوں
کو مسموم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں نے جب تک شریعت کا دامن نہ چھوڑے
رکھا۔ دنیا میں وہ کامران اور سرخرو رہے۔ اور جب انہوں
نے اس کا دامن چھوڑ دیا۔ اس وقت وہ اسلام سے قبل کی جاہلیت
اور تاریکی کی طرف لوٹ گئے۔ ضلالت اور مسکنت نے انہیں آ
دلوچا۔ اور وہ اس قابل بھی نہ رہے۔ کہ ظالم کی دراز و تبتوں
کے مقابلے میں اپنی مدافعت کریں۔

قرون اولی کے مسلمان ایمان لائے اور حق یہ ہے کہ انہوں
نے ایمان لانے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں
تمکن عطا کیا۔ جس قدر وہ عزیز نے ان مسلمانوں کو قلت اور ضعف
کے باوجود طاقت عطا کی۔ وہ یقیناً اس بات کی قدرت رکھتا ہے۔
کہ ہمیں بھی طاقت اور قوت بخئے بشرطیکہ ہم بھی ایمان کا حق ادا کریں
یہ اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنا
وعدہ دفا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَدَہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان
مُسْلِمًا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تم
لِيَسْخَرَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ میں سے اور اعمال کئے ہیں انہوں
مِمَّا سَخَّرْنَا لَآلِئِهِمْ نے اچھے کہ خلیفہ بنی امیہ انہیں زمین

فَخَذُوهُ وَوَمَاتُوا كَمَا كُنْتُمْ عَنْهُ
فَأَنْتَهُمُ
سے لے لو اور پس سے تم کو
منہ کرے رک جاؤ۔

(الحشر: ٤)

بطلان کے دلائل

بَيْنَ الْمَنَاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ -

حکومت کرو لوگوں کے درمیان حق سے
ساتھ اور مت پیروی کرو خواہش کی
وہ وہ تجھے سیدھے راستے سے
بھٹکا دے گی۔

(ص: ۲۷)

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَّامًا
سِرِّيَّاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ
فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ
أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا
يَعْلَمُونَ (المجادیہ :- ۱۸)

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ
اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ
وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ
اَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مِمَّا
مَنْذُورُونَ۔

پیروی کرو اس چیز کی جو اتاری گئی ہے
تمہاری طرف تمہارے رب کے طرف
سے اور مت پیروی کرو اس کے
علاوہ اولیاء کی۔ کم ہی تم نصیحت
حاصل کرتے ہو۔

(اعراف-۳)

ان خصوص قرائتہ نے اتباع خلاف شریعت کو قطعی طور پر
حرام قرار دیدیا ہے۔ اور شریعت کے سوا کسی دوسری شے پر عمل
کرنے کو کلیتہً "ممنوع قرار دیدیا ہے جو آدمی ایسا کرتا ہے۔ اس
پر اتباع صوری اور ضلالت کا حکم لگادیا گیا ہے۔ ایسا شخص گمراہ
ہے، ظالم ہے، اللہ کے اتارے ہوئے احکام کا باغی ہے
اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو انادولی بنا نوالا ہے۔

۷۲) اللہ تعالیٰ نے تمام ظالمین کو کفر قرار دیا ہے۔ اور
مومن کے لئے اس بات کو جائز نہیں ٹھہرایا۔ کہ وہ اللہ کے حکم کے
علاوہ کسی دوسرے کے حکم پر راجحی اور مطمئن ہو وہ اگر ایسا
کرسے تو اسے دور کی گمراہی اور شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے
اَلَمْ تَرَ اِیَّیَ الَّذِیْنَ

اسلام میں قانون سازی کے لئے کتب سنت اور اجماع
ہیں اور ان تعینوں کے اندر اس بات کے حق میں دلائل موجود ہیں کہ
شریعت سے آزاد ہو کر جو قانون سازی بھی کی جائے وہ باطل اور
بے اصل ہے۔ قرآن و سنت کے نصوص اس بارے میں بالکل قطعی اور
صریح ہیں اور ان نصوص کی موجودگی میں اجماع کا انعقاد ایک ناگزیر
امرتقا۔ ذیل میں ہم غیر شرعی قوانین کے ابطال کے حق میں چند
دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اہل تہمالی نے اطاعت و اتباع کی صرف دو قسمیں قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ یا تو اتباع اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کا ہے۔ اور یا پھر اتباع ہوگا اور خواہشات نفس کی اطاعت اور پیروی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری شکل نہیں ہے، اور ان دونوں میں سے ایک خالص ہدایت ہے اور دوسری خالص ضلالت۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ
فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ
أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ
مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ
هُدًى مِنَ اللَّهِ

(الفصل ۵۰) پیر الہ کی بد امت کے ۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ ۖ يَٰ دَاوُدُ هُمْ نَسِيتُمْ ۖ يَٰ دَاوُدُ هُمْ نَسِيتُمْ

ظالم، فاسق ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ كُفْرًا بَعْدَ إِيمَانِهِ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْمُقْبِلِينَ وَلَا مُمْسِكِينَ ۚ إِنَّمَا كَانَ قَبْلَ الْإِيمَانِ أَكْثَرُ طُغْيَانًا ۖ وَكَانَ اللَّهُ مُبْدِي الدِّينِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمَ الْحِجَابِ ۚ (الاحزاب: ۳۶-۳۷)

دلم، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ہر معاملے میں فیصلہ کریں وَاِنِ احْكُم بَيْنَهُمُ اَوْ رَدُّوهُمُ اِلَىٰ اٰيَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمَ الْحِجَابِ ۚ اس چیز کے مطابق جو اللہ نے نازل

(المائدہ: ۴۹) کا ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ الْكِتَابَ ۚ وَكَانَ فِيهِ نَصِيحَةٌ لِّكَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمَ الْحِجَابِ ۚ (النساء: ۱۰۵)

(النساء: ۱۰۵)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ ۖ فَلْيَمْسِكْ بِمَا فِي الْكِتَابِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمَ الْحِجَابِ ۚ (النساء: ۵۹-۶۰)

مسلمانوں میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ کسی دوسرے طریق پر اپنے معاملات کے فیصلے کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ان تینوں آیات میں سے ایک نہ ایک آیت ضرور صادق آتی ہے۔ مثلاً چوری یا قذف یا زنا کے معاملے میں اگر کوئی شخص اپنے مقدمے کا فیصلہ غیر اسلامی قوانین کے مطابق اس لئے کرنا چاہتا ہے کہ وہ غیر اسلامی قوانین کو اسلامی قوانین سے افضل اور بہتر سمجھتا ہے۔ تو وہ قطعی کافر ہے۔ اپنے دل اور

بِمَا اَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قَبْلِكَ يَفْقَهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمَ الْحِجَابِ ۚ (النساء: ۶۰)

(النساء: ۶۰)

پس جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی اور اس کے رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے نہیں کرتا اس نے یقیناً طاعت کو اپنے لئے حکم بنا لیا ہے۔ اللہ کی طاعت میں سے جو کوئی بندگی کے مقام سے برتر ہو کر معبود، مقبوض اور مطاع کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ طاعت ہے۔ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جس کسی کو بھی اپنے تنازعات میں ثالث بنا لیا جاتا ہے۔ اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ یا اس کی غیر مشروط اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ طاعت کی تفریق میں آجاتا ہے جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ کہ وہ غیر اللہ پر بھی ایمان لائے اور جس نے اللہ سے فیصلہ طلب کرنے کا عہد کر لیا ہے۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ کہ وہ غیر اللہ سے بھی جاکر فیصلہ طلب کرے۔

۴۴۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مومن مرد یا مومن عورت کیلئے یہ جائز نہیں رکھا ہے کہ وہ کسی ایسے معاملے میں اپنے لئے آزادى انتخاب کو استعمال کرے جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول نے کوئی فیصلہ صادر فرما دیا ہو جو شخص ایسا کرتا ہے اسے اپنے ایمان کی خیر منائی چاہیے۔ قرآن کی رو سے وہ کافر

گویا کہ سبقت اور تقدم اللہ اور رسول کی اطاعت کو حاصل ہے جب اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حق ادا ہو چکا ہے۔ اور جب ان کی مخالفت کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اس وقت اولی الامر کی اطاعت لازم آتی ہے پس جو حکمران اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق حکم دیتا ہے۔ اس کی اطاعت واجب ہے۔ اور جو اس کے خلاف حکم دے اس کے لئے سب سے بڑا طاعت کا حق سرگزشت ثابت نہیں ہے۔

غیر شرعی قوانین کے ابطال پر دلائل

۱۔ قرآن کے بعد سنت نے بھی نہایت وضاحت سے اولوالامر کی اطاعت کے حدود کو واضح کر دیا ہے اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف امر اور کی اطاعت سے منع فرما دیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث صحیحہ سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔

۱۔ لا طاعة لمخلوق في معصية خالق کا نافرمانی میں مخلوق الخاق کی کوئی اطاعت جائز نہیں
۲۔ انما الطاعة في المعروف اطاعت تو صرف معروف میں ہے
۳۔ من امرکم منہم بمعصية ان امرائے من سے جو کوئی تمہیں فلاسمع ولا طاعة معصیت کا حکم دے تو مت سنو اور مت مانو

۱۔ السمع والطاعة علی مرد پر سب سے واجب ہے المرء فیما احب وکرہ فحاشا وہ پسند کرے یا نہ کرے۔ الا ان یؤمر بمعصية یہ کہ اسے خدا کی نافرمانی کا حکم دیا جائے فلاسمع ولا طاعة تب سمع و طاعت لازم نہیں

۲۔ و انہ سبیل امرکم من میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے بعدی رجال یطعنون بوسنت کو مٹائیں گے بدعات کو رائج السنۃ و یحدثون کریں گے اور نماز کو اپنے وقت البدعة و یؤخرون الصلوة سے موخر کریں گے۔ ابن مسعود نے عن صواتہما قال ابن عرفن کیا یا رسول اللہ! اگر میں مسعود یا رسول اللہ! ایسے لوگوں کو پاؤں تو کیا کیف ہی اذا درکتہم کروں۔ فرمایا اے ابن قال لیس یا ابن امر عبد ام عبد جو اللہ کی نافرمانی طاعة لمن عصی اللہ کرے اس کی اطاعت جائز قالہا ثلاث مراتب نہیں۔ آنحضرت نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔

علم حدیث (صفحہ ۳۱ سے آگے)

ہی نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی اطاعت بلا اطاعت رسول ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح قرآن پاک نے ارسال رسول کی غرض و غایت ہی اطاعت بتلاتی ہے۔ و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

سے صاف واضح اور روشن ہوتا ہے کہ یہ دو مستقل اطاعتیں ہیں۔ ایک ضمنی میں کتاب الہی اور ایک ضمنی میں احکام رسول کے اور بعض مقامات میں تصریح رسول ہی کی اطاعت کا ذکر ہے۔ وہاں تو اطاعت کا ذکر ہے۔ وہاں تو اطاعت خداوندی کے بارے ذکر

تدوین حدیث

(از مولانا سید امین الحق صاحب فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد شینو پورہ)

منکرین سنت عام مسلمانوں سے چلی گئیں یہ شبہ ڈالتے ہیں۔ کہ عتب احادیث کی تدوین و کتابت ڈھائی تین سو سال بعد ہوئی ہے۔ اسلئے دین میں حدیث حجت نہیں۔ ان کے اس لغو اعتراض اور شکیانہ شبہ کا جواب ہمیشہ علمائے اُمت نے پوری تفصیل سے ساتھ دیا ہے۔ مندرجہ ذیل مضمون میں بھی ہمارے محترم مولانا سید امین الحق صاحب نے تدوین حدیث کے موضوع پر علمی بحث کی ہے۔ اور اس قسم کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔ قارئین کرام غور سے مطالعہ فرمادیں۔ تو بہت سے علمی نکتات اور اصولی باتیں سمجھ میں آسکیں گی۔ (مرتب)

ترجمہ: عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن حزم کو یہ لکھا کہ حضورؐ کی حدیثوں کو تلاش کر کے لکھو۔ مجھے علم کے شے علماء کے جاتے رہنے کا ڈر ہے۔ اور حضورؐ کی حدیث کے سوا اور کوئی بات قبول نہ کرنا۔ اور علم کو بھیلانا۔ اور علمی مجالس قائم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ جو شخص نہیں جانتا۔ وہ بھی اس کو جان لے۔ اس لیے کہ علم چھپانے سے نابود ہو جاتا ہے۔

ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم الفاری مدینہ منورہ کے رہنے والے تابعی ہیں۔ آپ امرہ اور قضا پر عمر بن عبد العزیز کے نائب تھے۔ اور عمر بن عبد العزیز نے آپ کو تدوین حدیث پر اس لیے مامور فرمایا کہ آپ مشہور حفاظ حدیث کے مسلم شیخ الحدیث تھے۔ اور ابونعیم نے اصحاب کی تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے صرف ابن حزم کو یہ فرمان نہیں لکھا تھا۔ بلکہ تمام اہل اہل علم میں یہ احکام بھیجے تھے کہ حجۃ تدوین حدیث کا انتظام کیا جائے۔ اور اس سے پہلے صحابہ و تابعین کا یہ دستور تھا کہ وہ حفظ حدیث کا اہتمام رکھتے

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں پیامہ کی جنگ میں حفظ قرآن کے مراکز کی شہادت سے حضرت عمرؓ کو ذاب قرآن کا خطرہ پیدا ہوا تھا۔ اور حفظ حدیث کے مراکز کے جانے سے عمر بن عبد العزیز کو ذاب حدیث کا خطرہ پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے نائب الحکومت ابوبکر بن حزم کو یہ فرمان لکھ کر مدینہ منورہ بھیجا کہ حفاظ حدیث کم ہو رہے ہیں۔ اور خیر القرون نکلا جا رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں علم حدیث مٹ نہ جائے۔ اور علماء فنا نہ ہو جائیں اس لیے آپس میں مجالس کرو۔ تاکہ جو شخص حدیث کو نہیں جانتا۔ وہ بھی حدیث جان لے اور یاد کر لے۔ اور آپ کو جو حدیث ملتی ہے۔ اس کو لکھ لیجیے۔ فرمان کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

وكتب عمر بن عبد العزیز الى ابی بکر بن حزم (انظر ما كان من حدیث رسول الله ﷺ فاكثرت فالتفت در در العلم وذاهب لعلماء ولا تقبل الاحديث التي واليفتش العلم وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سكر دغاري كيف يقبل العلم)

تھے۔ اور زبانی درس و دانت میں حدیث پڑھی۔ اور پڑھائی جاتی تھی۔
 عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ رجب سے سلطنت تک خلیفہ رہے۔ آپ سچے
 لیجے کہ تدوین حدیث کی تحریک ستارہ کے لگ بھگ شروع ہو گئی تھی۔
 حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث کی جمع و تدوین کے متعلق جو الفاظ
 لکھے ہیں۔ اس سے پابندازہ ہوتا ہے۔ کہ اس انتظام کی ضرورت اس وقت
 محسوس ہوئی جب کہ اس مستحکم اور معمول طریقہ حفاظت کے ہمیشہ پہنچنے
 میں اور ضعف کا خطرہ لاحق ہونے لگا۔ حدیث قرآن کی طرح ابتدائی دور
 میں مسلمانوں کی زندگی کا لازمی اور ضروری جز تھی۔ اس لئے ان کو حدیث
 کی حفاظت کیلئے خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہوئی۔ صحابہ میں حضور کی
 عادات کی اتباع کا عالم تھا کہ عادات نبوی میں پوری پوری مشابہت
 پیدا کرنے کیلئے ہمیشہ صحابہ کی جدوجہد جاری رہا کرتی تھی جفاظ قرآن
 کی طرح حفاظت حدیث کی کثرت صحابہ کی ایک جہتی اور ضرورت کی فیض صحت
 کے عین اثرات نے صحابہ کو اس ضرورت کا احساس ہی نہ ہونے دیا۔ کہ
 حدیث کی حفاظت کیلئے صحابہ کے دل و دماغ میں کسی ضروری انتظام کا خیال
 آتا۔ صحابہ کو انفرادی جذبہ تحفظ پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اس لئے انہوں نے
 مزید اہتمام کی ضرورت نہ سمجھی۔ اور جس طرح صحابہ میں قرآن کے احکام اور
 غیر معمولی نقصان سے قرآن کی حفاظت میں حضرت عمرؓ کو دخل پڑ جانے
 کا خطرہ اس وقت محسوس ہونے لگا تھا جبکہ صحابہ ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے
 تھے۔ اور ایسے وقت میں جبکہ جاں جہاں آرا کو بے حجاب دیکھنے والوں کے
 سینوں میں جو حرارت بھڑک رہی تھی۔ اور نبی کریمؐ کے انتقال مکانی کے
 حجاب پڑ جانے سے اس کے شکلوں میں تیزی باقی نہ رہنے کا امکان
 پیدا ہونے لگا۔ اس طرح حفاظت حدیث کے بارے میں بھی عمر بن
 عبدالعزیز کے دل میں یہ بے چینی شروع ہو گئی۔ کہ کہیں اس محبوب
 رب العالمین کی ادائیں صحابہ اور تابعین کے دور کے ختم ہو جانے سے
 تاریخ کا ایک صفحہ بن کر نہ رہ جائے۔ اس لئے ایسے انتظام کا ارادہ فرمایا
 رسول اور امتی کے رشتے اس سے پہلے بھی جڑت سے ہو چکے تھے۔ مگر
 کسی امت نے اپنے رسول کا مکمل سواہ تحفظ نہیں رکھا۔ اور صرف ہند

کہانوں اور تختیوں کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ یاد رکھنا چاہئے
 کہ ایسے دستور و اختیارات کو عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ سے مکمل کرنے میں
 کوئی اور اندرونی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اور اس نے تمام قوت کو حیرت
 دی۔ اور قدرت نے یہ چاہا کہ آپ کو تمام عالم کا رہنما بنا کر بھیجا جائے
 اور آپ کی پوری تصویر اور صفحات زندگی کو اصل اور غیر مشتبہ صورت
 میں قائم رکھے۔ قدرت نے عمر بن عبدالعزیز کے دل میں اس کا احساس
 پیدا کر دیا۔ خدائی حفاظت کے وعدہ نے جس طرح فاروق اعظم کے
 ارادہ میں حفاظت قرآنی کے لیے جنبش پیدا کی۔ اس طرح عمر بن عبدالعزیز
 کے اس اقدام کیلئے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا وعدہ محکم بنا۔ اور عمر بن
 عبدالعزیز نے حج حدیث کے اہم کام پر ابو بکر بن حزم کا تقرر اس
 لئے فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ کے گورنر ہونے کی ذمہ داری سے حکومت کے
 احکام کی انجام دہی آپ ہی کی ذمہ داری تھی۔ اور اس کے علاوہ آپ کے
 دادا عمرو بن حزم کو رسول اللہؐ نے صدقہ دیت اور فرائض و سنن
 کے احکام کی ایک کتاب لکھ کر عنایت فرمائی تھی۔ اور حضورؐ کی یہ کتاب
 آپ کے پاس وراثتہ موجود تھی اور امام مالک آپ کے حق میں فرمایا
 کرتے تھے۔ اس وقت ابو بکر بن حزم سے مدینہ منورہ میں علم تھا۔
 کا عالم بڑھ کر کوئی دوسرا موجود نہیں۔ اور عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے
 ابن شہاب زہری و دیگر حفاظ حدیث نے حدیث کے ٹکڑے مرتب
 کئے۔ عبدالعزیز بن محمد نے کہا ہے کہ ابن شہاب وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں
 نے تدوین علم حدیث کی ہے۔ سعید بن زیاد فرماتے ہیں۔ یحییٰ بن ابی شہاب
 زہری کو سعید بن ابراہیم سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ ابو ناعمر بن
 عبدالعزیز یحییٰ السخی فکنا ہا وفتوا۔ دفعتاً نجت الی کل
 مدین لہ علیہا سطاتاً

ترجمہ: ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے حدیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔
 پس ہم نے کئی کتابیں تیار کیں۔ اور عمر بن عبدالعزیز نے اپنی سلطنت
 کی ایک ایک سمت میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔
 ابن شہاب زہری ۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ اپنے زمانے

حدیث کے ساتھ ساتھ مدون کئے مکہ معظمہ میں اس جزیعہ نے اور مدینہ منورہ میں محمد بن اسحاق امام مالک نے اور بصرہ میں یحییٰ ابن یحییٰ، سعید بن عروبہ، حماد بن مسلم نے کوفہ میں سفیان ثوری نے شام میں امام اوزاعی نے اور یمن میں حضرت معمر نے اور رے میں حرب بن عبد الحمید نے اور خراسان میں عبد اللہ بن مبارک نے الگ الگ مجموعہاتے احادیث کو مدون کیا۔ اور مصر میں لیث بن سعد نے بھی ایک مجموعہ مدون کیا۔ یہ سب ایک ہی عصر کے علماء ہیں۔ اور سب سے آخر میں عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ میں فوت ہوئے۔ اور ان تمام حضرات نے ابواب میں حدیث کو جمع کیا۔ اور ایک باب میں ایک قسم کی حدیثوں کا جمع کرنا ان حضرات سے پیشتر امام شیعہ کر چکے تھے۔ جو سلمہ میں فوت ہوئے ہیں۔ یہ تمام مجموعے اس جذبہ کے ماتحت مرتب کئے گئے تھے۔ کہ حفاظ حدیث کے ساتھ کہیں علم حدیث بھی نہ اٹھ جائے۔ امام مالک کی کتاب آج بھی موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جامعین حدیث نے اقوال صحابہ کی حفاظت میں وہی اہتمام کیا۔ جو انہوں نے رسول مقبول کے اقوال و افعال کی تدوین و حفاظت میں کیا تھا۔ ابن جریر اور اس کے سب سے قبل کے طبقہ کے حفاظ حدیث سب کے سب عرب ہیں۔ لہذا منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث جمیوں کی سازش ہے۔ کس قدر سیوہ اور صریح دروغ ہے۔

اور ان حفاظ حدیث کے بعد اس مقصد کے پیش نظر کہ حدیثوں کو اقوال صحابہ اور قوائے تابعین سے الگ کر کے ایک علیحدہ مجموعہ میں محفوظ کر لینا چاہیے۔ ایک اور درود شروع ہوا۔ چنانچہ عبد اللہ بن موسیٰ کوفی اور مسدد بصری، احمد بن محمد بن عوفی، نسیم بن حماد خراسانی اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دوسرے حفاظ حدیث نے مسانید لکھیں۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اسحاق بن راہوتہ متوفی ۲۴۳ھ عثمان بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۰ھ کے اسمائے گرامی اس دور میں نہ تو نمایاں ہیں۔ اور ان حضرات کی تصانیف میں

کے کثیر العلم شخص تھے۔ شام اور حجاز کے حفاظ حدیث کے متفق علیہ امام تھے۔ حضرت معمر زہری کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ پہلے ہمارا خیال تھا۔ کہ ہم نے زہری کا بہت سا علم حاصل کر لیا ہے۔ لیکن جب ولید بن یزید کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ تو ہم کے دیکھا کہ اس خزانے سے ہانوروں پر لا لاکر کتابیں آ رہی ہیں۔ ہم نے دریافت کیا۔ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ زہری کا علم ہے۔ ولید بن یزید کے جوش انقام نے لوگوں کو اس سے متغیر کر دیا تھا۔ اس میں ولید کے قتل نے اس کو بڑا انجام ظاہر کیا۔ حضرت زہری نے عبد اللہ بن عمر بن سہیل بن سعد، انس بن مالک، محمود بن ربیع، سعید بن المسیب، ابی امام بن سہل سے درس حدیث لیا تھا۔ حضرت کے حافظ کا یہ عالم تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں بقیع سے جب گئے رہتا ہوں۔ تو اس ڈر سے کان بند کر لیتا ہوں۔ کہ بری بات کان میں پڑ جلتے گی۔ اور ذہن میں میٹھ جلتے گی۔ بخدا جو بات ایک مرتبہ سن لیتا ہوں۔ پھر کہیں نہیں بھولتا۔ سعید بن عبد العزیز کہتے ہیں۔ ہشام بن عبد اللہ نے اپنے کسی بڑے کے واسطے زہری سے حدیثیں تلمذ کرنے کی درخواست کی چنانچہ زہری نے اس کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں۔ ایک ماہ کے بعد ہشام بن عبد الملک نے زہری کے امتحان کیلئے یہ کہا۔ کہ وہ کتاب گم ہو گئی ہے۔ وہی حدیثیں دوبارہ لکھوا دیجئے۔ چنانچہ زہری نے اس وقت دوبارہ لکھوا دیں۔ جب دونوں صحیفوں کو لا کر دیکھا گیا۔ تو ایک حرف کا فرق بھی نہ تھا۔ محمد بن عبد اللہ زہری کے نتیجے بیان کرتے ہیں کہ انہی دنوں میں آپ نے پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ حضرت زہری فرماتے ہیں۔ مجھے اپنے تمام علم میں ایک حدیث میں شبہ ہوا تھا۔ میں نے اپنے رفیق سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ وہ اس طرح درست تھی جس طرح میرے ذہن میں تھی۔ حضرت زہری نے سلمہ میں وفات پائی۔ اور اس وقت عمر بن عبد العزیز کے حکم کے ساتھ سیرت کے ساتھ حدیث کا کام شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کے مرکزی مشہور میں مسلم احمد بن حنبلین حفاظ حدیث پہلے ہوئے تھے۔ اور اس

تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اور اس سے اسما الرجال کا وہ عظیم الشان فن مدون ہو گیا جس کی نظیر مسلمانوں کے سوا کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ محدثین نے اس کتب راہ میں انتہائی جفاکشی، دہشتداری اور اصلاح و تقویٰ کا اس قدر ثبوت دیا ہے جس کو بلاشبہ اسلام کا ایک معجزہ کہا جاسکتا ہے۔ اور محدثین نے حرج و تعدیل کا جو معیار مقرر کیا تھا، اس پر بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے ائمہ مذہب کو پرکھا۔ اور اس راہ میں ان پر نہ کسی دنیوی قوت کا رعب پڑا ہے۔ اور نہ کسی کی مذہبی قیادت اور پیشوائی کا خوف طاری ہوا۔

صحیح اور غیر صحیح روایات محفوظ تھیں۔ اور روایات کے احوال کی بحث ایک غیر ضروری بحث تھی۔ اور صحیح حدیث کا درجہ احوال روایت پر مبنی تھا اس زمانہ میں تنقید روایت کے اصول متعین ہوئے۔ اور جرح و تعدیل کے نکات مقرر کئے گئے۔ اور جس طرح متن حدیث کے یاد کرنے پر کھنہ اور سمجھنے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ اس نید کو محفوظ رکھنے اور ان کی صحت و نسق کی تحقیق و تفتیش کا بھی اہتمام ہونے لگا۔ اور علم ہمارا لرحال کے نام پر ایک شغل فن کی بنیاد ڈال دی گئی۔ اس علم اسناد الحدیث کی وجہ سے روایت حدیث کے حالات و سوانح کی چھان بین کی گئی۔ روایت کے اخلاق و اعمال کے ایک ایک گوشہ کی بکمال احتیاط و دید وری

ارشادات رسول ﷺ

(۱) ان کو پڑھئے اور ان پر عمل کرنے کا عزم کیجئے

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیوہ

عورت اور غریبوں کے کاموں کو پورا کرنے میں سعی و

کوشش کرے وہ ثواب میں اس شخص کے مثل ہے جو جہاد

میں سعی کرے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مسلمانوں کو

باہمی مہمندی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا

دیکھو گے جیسے جان و الابدن ہوتا ہے۔ کہ جب اس کے ایک

عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بے خوابی اور بیماری

میں اُس کا ساتھ دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان

دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی

میںبت میں اس کا ساتھ چھوڑے۔ اور جو شخص اپنے بھائی

کی حاجت میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے

(بخاری و مسلم)

رد ورفض

ترجمہ حضرت مجدد الف ثانی (سرمندی ۱۲۰۰ھ)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس نایاب فارسی رسالے کو

پہلی بار اردو ترجمہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جو اس وقت لکھا

گیا۔ جب کہ علماء ماوراء النہر سے شیعوں نے مناظرہ کیا۔ اور

مہندوستان کے شیعوں نے اپنے اعتراضات کی بیاباں پر کثرت

و اثبات کی۔ اور علمائے اہل سنت کے جوابات کو مٹانے نہ کیا

بہنا بہت سی غلط فہمیاں پھیلنے لگیں۔ اس لئے حضرت محمدؐ نے یہ

مفصل کتاب تحریر فرمائی۔ جس میں علماء ماوراء النہر کے جوابات

درج کرنے کے علاوہ اپنی طرف سے بھی جوابات تحریر فرمائے۔ نیز

شروع کتاب میں شیعہ مذہب کی ابتداء اور ان کے بائیس فرقوں

کا حال اور عقائد بیان کئے ہیں۔ علاوہ انہیں کسی دیگر مسئلے پر

مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ نمونہ ڈاک

ملنے کا { کتاب ۸۰۰ روپے چوک انارکلی لاہور

تاریانہ عبرت

(از مولانا محمود احمد ظفر انگلش ماسٹر و پبک ضلع سیالکوٹ)

روئے اور آنسوؤں کے دریا بہانے پر شیریںیاں تقسیم ہو رہی تھیں۔
 دعوتیں دی جا رہی تھیں، اس سے بڑھکر کیا ظلم ہو سکتا تھا۔ ہمارا ردنا
 خوشی سے تھا۔ یا تکلیف سے، مسئلہ سے تھا۔ یاد رکھئے، یہ آپ سب
 جانتے ہیں کچھ فحشی سے رویا نہیں جاتا۔ غالب کہتا ہے،
 دل ہی تو ہے نہ سنگ و سخت درد سے بھرنے کیوں
 روئیں گے ہم ہزار بار کوئی بیس سستا کیوں
 رونا سنانے سے ہوتا ہے۔ ہمیں سنا لگیا۔ ہم رو رہے تھے۔ ہمارے
 سر پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ ہم تنہائی تکلیف میں تھے۔ کیوں!
 اس لئے کہ ہم عالم ارواح سے متعلق کئے تھے۔ ہم مقدس سرزمین پر رہنے
 والوں ہم نورانی جہان کے بسنے والوں کو حکم دیا گیا۔ کہ ظلمت کو دنیا میں
 آباد ہوں۔ اس سے زیادہ علم کا مقام بعد کون سا تھا۔ ہمارا پایا وطن
 جہاں تسبیح و تحمید کے بغیر اور کوئی کام نہ تھا۔ ہم سے چھوٹ گیا۔ اور ہمیں کابرد
 خاکی اور اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ یہ بدن ایک نفس شنی ہے
 ناپاک پانی سے بنایا گیا ہے۔ جس سے آپ کے احباب و اقربا کو محبت
 ہے۔ جس کو آپ بناتے اور سنوارتے ہیں۔ تیل لگاتے اور ولایت کے
 باریک باریک نزاکت ماب کیڑے پہناتے ہیں۔ جسے عطر مٹے ہیں۔ اور
 جسے اس طرح ناز و نخرہ کے ساتھ رکھتے ہیں کہ

نہیم صبح بھی چھو جائے رنگ ہو میلا

حالانکہ اصل سخی اس کے اندر بند ہے۔ جس کا نام روح ہے۔
 اسے انسان کہنا چاہیے۔ دندنہ بدن جو نہ صرف خود نفس بلکہ ماہر مصلح کو
 ناپاک و پشیمان، طیب خدا کو نفس و پاخانہ، اور عودہ اکسین کو
 گندہ زائعوں اور ہائید روغن، بناتا ہے، یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی

بہیں مدرسوں میں شیخ سعدیؒ اور شیخ عطارؒ کی کتابیں پڑھائی
 جاتی تھیں جن کی دہرے کچن ہی سے ہمارے اعتقادات۔ خیالات اور
 اعمال ایک حد تک درست ہو جاتے تھے۔ آج وہ زمانہ نہیں رہا۔ آج
 بی ٹی و B.T، کرائی جاتی ہے۔ ہر شاہ و گدا۔ ہر کس و ناکس اور ہر امیر
 و غریب اسی دھن میں لگا ہوا ہے کہ میں اپنے صاحبزادہ کو ٹیڈ و زینٹیک بنا
 دوں۔ دیوخی اعتبار سے وہ بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کرے۔ خواہ
 اسے کمر بیا صبح نہ ائے۔ یہ انگریز کی تہرانی ہے۔ کہ ہماری ہر شئی
 مجرور لگی ہے۔ اور بڑھتی جا رہی ہے۔ یہاں اس کے قدم گئے۔ دلوں
 کی تعلیم۔ تہذیب اور تمدن کو غارت کر کے رکھ دیا۔ عمل بگڑا۔ علم بگڑا
 تہذیب بگڑی۔ اور خیالات خراب ہوئے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک باسی ہے

یاد دہی کہ وقت ندادن تو نہ سہمہ خندل بدند و تو گریاں
 آنچاں زدی کہ وقت مردن تو نہ ہمہ گریاں شوخند و تو خندل

دینا کا دستور ہے۔ کہ جب ایک انسان تکلیف میں مبتلا ہو
 تو اس کی مدد کی جاتی ہے۔ کوئی روتا ہو۔ تو انسانیت کا تعاضا یہ ہے
 کہ اس کے ساتھ دیا جائے۔ ورنہ کم نہ کم مہنا تو نہ جائے۔ تاکہ یہ تو نہ
 سمجھا جائے۔ کہ میں کسی کے دکھ سے سکھ رہا ہوں۔ جو ایسا کرتا ہے۔ و یقیناً
 ظلم کرتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جس وقت ہم پیدا ہوئے تھے۔ رو رہے تھے
 ہمارے رونے پر ہمارے غریب و اقربا ہنستے تھے۔ ہم بھلا کر نیندوں کو
 خواب کہہ رہے تھے۔ دلوں کو ترپا رہے تھے۔ ہمارے خون کے آنسو

ابوعلیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے چٹے پرانے کپڑے دیکھ کر عرض کیا :-
 ”امیر المؤمنین! بیت المقدس نصرانیوں کا مقدس و مہذب ملک
 اور آپ کا لباس رنگا رنگ پیوندوں سے مرصع ہے کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ
 ہیں اس بات پر زلالت اٹھانی پڑے۔ لہذا آپ یہ نیا لباس پہن لیں۔
 امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :-
 حَسْبُنَا عِزَّةُ الْإِسْلَامِ دہم دنیا کی عزت کے خواہاں نہیں، ہمارے
 لیے صرف اسلام کی عزت کافی ہے۔

عہد جس میں تفاوت راہ از کجاست

اسلام نے ہمیں بدن کی زیب و زینت میں الحجہ کر رہا جانا نہیں
 سکھایا، بلکہ ہمیں اس بات کی تعلیم دی کہ ہم اپنے اندر روحانی جلا
 اور روشنی پیدا کریں۔ جفاکش بنیں۔ ایک دفعہ شیخ الاسلام حضرت علامہ
 مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت
 عطا فرمائے، کو ایک شخص نے پکھا ہلانے کی کوشش کی۔ تو آپ نے فرمایا :-
 ”اگر تم نے یوں کیا۔ تو میں کیا کر سکوں گا۔ مجھے محمدؐ ہ نہ بناؤ۔ مسلمان
 جفاکش ہوتا ہے تم جفاکش بنو۔ محمدؐ ہ نہ بنو۔ مامور شاہ درانی بنو۔
 کہ جب وہ ایران سے چڑھتا ہے۔ موٹے کپڑے پہن۔ آلاب حرب ہیں
 ایک کندھے پر پانی کا مشکیزہ ہے۔ اور دوسرے پر ایک دودھ کا گھانا
 ہے۔ اور اس حال میں کرناں تک پہنچ جاتے۔ اور محمدؐ ہ کے پاس
 شراب کی مٹل گرم ہے۔ ہر روز دھوڑ پختی ہے۔ آخری رات کرناں پہنچ
 جانے کی دھوڑ وزیر نے سنائی۔ تو نشہ میں کہا۔

عہد میں دفتری معنی عرق سے ناب ادنیٰ

مگر جب صبح کو نشہ دور ہوا۔ تو مشغور کیا۔ اور صبح کے لیے گیا۔ ڈھاکہ
 کی باریک ترین مٹل اور سر و موٹے خدام نیکھا ہلا رہے ہیں۔ مگر پھر بھی
 پسینہ ہے۔ وہاں پہنچا۔ تو اس قدر موٹے کپڑوں پر بھی پسینہ، پریشانی
 اور تھکا دہن نہیں پوچھا بھائی! کیا بات ہے۔ نادر شاہ نے جواباً کہا
 اگر میں آپ کی طرح نازک اندام ہوتا۔ تو کس طرح ایران سے پہل کر کرناں پہنچا۔ اور
 اگر آپ میری طرح ہوتے۔ تو کم از کم پنے ملک کی سرحد پر ہی میرا مقابلہ کرتے۔“

خاص الخیام ہر بانی اور اس کی قدرت و رحمت کی کرشمہ سازی
 ہے۔ کہ جس ناپاک پانی سے پیدا کر کے لیے رنگ میں رنگ دیا کہ مال باپ
 بہن بھائی۔ دوست و احباب اور خدوم سب ہم سے پیار و محبت کرتے
 ہیں۔ ورنہ اس کی حقیقت تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کس طرح سے آیا ہے
 اور کس طرح جاتا ہے۔ آج روح بدن نے نکلی۔ اور آج ہی آج گھر سے لا
 جاتا ہے۔ اور دین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ دیر نہیں کی جاتی
 رشتہ داروں اور احباب کا انتظار تک نہیں کیا جاتا۔ گھر میں رکھنے کی
 اجازت نہیں دی جاتی۔ فوراً کنفن دفن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عورت چھاتی
 سے لگانا پسند نہیں کرتی۔ وہ مال جو ہر وقت پیار کرتی رہتی تھی۔ اور خدوم
 اپنی اغوش محبت میں رکھتی تھی۔ اب پیار نہیں کرتی۔ بچے گود میں نہیں بیٹھے
 دوست ہاتھ ملانا اور ہاتھ لگانا گوارا نہیں کرتے جن سے خلوت میں کئی
 راتیں گزار کر دن اور دن گزار کر راتیں ہوتی تھیں۔ اور جی نہیں بھرتا
 تھا وہ ایک منٹ کے لیے ایک سال تک نہیں بیٹھتا۔ ڈرتا ہے۔ بھوت
 سمجھتا ہے۔ تصور کرتا ہے۔ کہ کہیں چٹ نہ جائے۔ دیکھا اپنا انجام! فوراً
 اپنے گھر سے نکالے جاتے ہیں۔ اگر ایک دن پڑے رہو۔ تو دوسرے دن
 بدل ہو جاتی ہے۔ وحشت کے مارے قدم نہیں رکھا جاتا۔ تیسرے دن
 کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ بدن چٹھتا ہے۔ گھٹا ہے۔ بستر تباہ ہے۔ اور قیامت آ
 جاتی ہے۔ یہ اس جسم کا حشر ہے۔ جس کے لیے اس دنیا کا سارا ساز و
 سامان ہے۔ موٹیں ہیں۔ مکان ہیں۔ باغات ہیں۔۔۔۔۔ جس کے لیے
 دنیا بھر کو ستاتے ہیں۔ حرام مال کھاتے ہیں۔ بھوٹی گواہیاں دیتے ہیں
 حق کو چھپاتے ہیں۔ لگی پٹی کہتے ہیں۔ حاکم وقت کے سامنے سچی بات نہیں
 کہتے۔ جہاد سے منہ پھیرتے ہیں۔ قیامت کی تکالیف سے ڈرتے ہیں۔

آج مسلمان دنیا کی آسائش اور آرام کے لیے دین حق کو چھوڑ رہا
 ہے۔ حالانکہ ہمارے آباء و اجداد نے دین کو اپنایا۔ اور دنیا کو دین کے
 لیے خیر باد کہہ دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ
 اب بھی مسلمانوں کو دعوت عبرت دے رہا ہے۔ جب کہ آپ بیت المقدس
 کی فتح کے لیے وہاں شریعت لگے۔ تو مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت

پیشکریہ تذکرہ کراچی

(حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی (مرحوم)

علم حدیث

(۱۵)

چوتھے نظریہ کو جو لوگ تقریباً تین نظریے ایک ہیں پہلے نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ صریح وحی کے علاوہ جو قوتاً فوقاً نبی پر آتی رہتی ہے اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیقِ الہی بھی عنایت ہوتی ہے جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ تیسرے نظریے میں اسی توفیقِ علم کو الہامِ القاء فی الروح اور دل میں ڈرانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے اور رسول اسی اصل سے اپنے احکام کو مقتبط کرتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام الہی اور بشری فہم سے نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کا عقلی سے پاک ہونا مستحبہ رہے گا۔ بلکہ وہ پیغمبرانہ قوتِ فہم کا نتیجہ ہوگا۔ اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوتِ فہم کی تعبیر خواہ "الہام" سے کرو، "القاء" سے کرو۔ یا اس کو حکمتِ نبوی کا نتیجہ کہو۔ یا توفیق، بات ایک ہی ہوتی بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بعید نہیں، بلکہ سب آراء اور نظریوں سے انسب ہے کہ رسول کے تمام صحیح مذہبی احکام بھی اس کے صحیفہِ زمینی سے ماخوذ مقتبط ہیں اور ان کی جزئیات کتاب الہی کی کلیات کے تحت مندرج ہیں۔ اور رسول کا اخذ و استنباط اور فہم اس کی پیغمبرانہ قوتِ علم کا نتیجہ ہیں جن کو حکامِ مَلَکُوت ادا اِلهِ شریعت حکمت و الہام اور شرح صدر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اندہ جو خطا و غلطی سے یکسر پاک ہے۔

احادیثِ قرآن کا بیان کی عمیق اور وسیع نظریہ ان کو یہ قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ پر جن

بر لا معلوم ہوتا ہے کہ احادیثِ صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی احکام کے تحت مندرج ہیں۔ اگرچہ اندراج میں علماء کے تین نظریے ہیں۔

پہلا اور عمومی نظریہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے مہبت سے مقامات پر جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا خصوصاً اور اور جہلاً انبیاء کی اطاعت کا عمومی حکم دیا ہے۔

چنانچہ ایک رکوع میں اٹھارہ انبیاء کے ذکر کے بعد ارشادِ خداوندی ہے۔ **وَلِلّٰهِ الَّذِیْنَ هَدٰى الرَّسُوْلُ قَبْلَہُمْ اَقْبَدُ** یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی۔ اسے محمد صلعم، تو بھی انہی کی رہنمائی کی پیروی کر۔

اس پورے رکوع میں اکثر پیغمبروں کے نام لے کر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں اگر ہم ان کو یکجا کر دیں تو نبوت اور رسالت کے عام اوصاف، خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں۔

چنانچہ رکوع کا ہم نے جو جملہ لکھا ہے۔ جس کا حاصل ہے کہ ان کی رہنمائی کی پیروی کر۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت پر مامور ہوتے ہیں۔ اور لوگ ان کی پیروی سے نیکو کار اور صالح بنتے ہیں۔ پس اگر قاصدِ محض فرض کیا جائے تو اس حکم کا کیا مقصد ہوگا۔ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰہِ اَسْوٰۃٌ حَسَنَةٌ** تمہارے لیے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے۔ یعنی آپ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

مستند آیات میں خدا اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے

کتاب بہترین رفیق ہے!

• پیام حق :- حضرت مولانا طہور احمد صاحب بکوی کی آخری معرکتہ الآراء تقریر۔ مذہب شیعہ پر سیر حاصل تبصر کیا گیا ہے۔
تفسیر آیت مباہلہ، مصنفہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤ۔ قتلِ تعالواندج، ابنانا انبا کد کی صحیح تفسیر اور شیعوں

کے مغالطہ کا ازالہ

• تفسیر آیت مباہلہ اس رضی، مصنفہ ایضاً تفسیر آیت ولقد کتبنا فی الزبور الخ خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت
تفسیر آیت اولی الامر منکم۔ مصنفہ ایضاً اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے مغالطہ کا ازالہ
تفسیر آیت معیت، مصنفہ ایضاً تفسیر آیت محمد رسول اللہ والذین معہ صغیرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم
کا خلیفہ ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

• تفسیر آیت یکبیر: مصنفہ ایضاً تفسیر آیت الذین مکنا ہم فی الارض، جس سے ثابت کیا گیا ہے، کہ حضور کے مہاجرین کی
بارگاہ الہی میں بڑی عزت ہے۔ ان میں ہر ایک امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کی موجودہ
خلافت ہے۔ ان کے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور قبول تھے۔

• تفسیر رضوان: مصنفہ ایضاً تفسیر آیت لقد رضی اللہ عنہم الموذنین کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے، کہ حضرات
خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ حدیبیہ جنتی ہیں۔ اور خدا نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔
تفسیر آیت مودۃ القرابی، مصنفہ ایضاً تفسیر آیت قل لا استعظم علیہ اجر، کی صحیح تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے
کہ شیعہ جو اس آیت کے حوالہ سے محبت اہل بیت کو اجہ رسالت کہتے ہیں۔ یہ قرآن کی معنوی تحریف اور سید الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت پر سخت حملہ ہے۔

• ابوالانصار کی تحلیل: مصنفہ ایضاً جس میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے، کہ کوئی شخص صحابہ حضرت علی اور
پیروکار نہیں ہو سکتا۔ کہ جب تک کہ مذہب حق اہل سنت والجماعت اختیار نہ کرے۔

• محشف التبلیس حصہ دوم، جس میں فضائل صحابہ اور دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی
تحقیق فدک۔ مصنفہ مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری کی نہایت بہترین قابل دید کتاب ہے۔
تحفہ قاضیاں

لے کا پتہ

مکتبہ حزب انصار و منیر شمس الاسلام ڈاک خانہ شمس الاسلام بھیرہ